ترتیبِ جدید

سلسلۂ منتخباتِ نظمِ اردو

جذباتِ فطرت

مرتبہ

محمد الیاس برنی ایم اے ال ال بی (علیگ)

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلدِ اول

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء



بار چہارم

قیمت عہ

اس سلسلہ کے تینوں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے :-

(۱) محمد مقتدیٰ خاں شروانی۔ علی گڑھ

(۲) محمد الیاس برنی۔ بیت السّلام۔ حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لوہاری دروازہ۔ لاہور

گزارش

کھلتا کسی پہ کاہے کو دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

یہ سلسلۂ منتخبات کیا ہے۔ سراسر اپنے دل کی کہانی ہے۔ کہنے کو شاعروں کی زبانی ہے۔ ہر شعر کا یہ حال ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

قدیم و جدید اور معروف و غیر معروف شعرا کے کلام میں جہاں بھی اپنے دل کی باتیں نظر آئیں گی فراہم اور مرتب ہو ہو کر نئی جلدوں میں شائع ہوتی جائیں گی۔ انشاء اللہ

کتابیں ختم ہو چکی تھیں اور فرمائشوں کی بھرمار تھی تاخیر سے تقاضوں کی نوبت آگئی تیسرے اڈیشن میں لاجرم بہت عجلت کرنی پڑی۔ گرچہ وہ جدید ترتیب اور اضافۂ مضامین کے ساتھ بمقابل سابق بہت بہتر شائع ہوا۔ تاہم کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں رہ گئیں بعض نظمیں بے محل درج ہو گئیں اور چند درج ہونے سے رہ گئیں۔ اس چوتھے اڈیشن میں یہ خامیاں بھی رفع ہو گئیں اور بفضلہٖ سلسلہ اپنے حسن کمال کو پہنچ گیا۔ فالحمدُ للہِ علی احسانہٖ

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
جولائی ۱۹۳۰ء

محمد الیاس برنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریح ترتیب جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پرانی داستان ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلہ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہو گا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سمر

دُھنتے ہیں ان کی ہم پلہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں شعروسخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہے امید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھ کر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبت پیدا ہو گی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملت مناظرِ قدرت اور جذبات فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادان سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمائشوں کا تار بندھ گیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہو گئیں۔ اس قدرشناسی اور ہمت افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف میں طبع کی رفتار تیز کر دی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آئے سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے سنہ ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل

آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہو گئیں جن میں
کم و بیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمد للہ ان کتابوں نے امید اور توقع سے بڑھ کر شہرت و مقبولیت حاصل
کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل
سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیش نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں
نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے
تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان
بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھرانے اس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہو گئے
اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے اس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب
کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں
بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے۔ یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق
متعدد نظموں کو اس طرح یک جا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل
سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس
اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹو سٹڈی

کہتے ہیں ادب کی تعلیم میں یہ بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہے۔ مزید برآں اس قسم کی ترتیب سے اُردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کن کن مضامین کی فضا میں اُردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھ کر بہت سے منکر اور غافل اُردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہے یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا۔ اس سے بڑھ کر جدّت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یکجا ترتیب دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں۔ میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ اور اکبر الٰہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ بیخودی میں شاعر کے منہ سے حقایق کے پھول

جھڑتے رہتے ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کر کے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہو بھی گئیں تو اکثر کے عنوان ندارد پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگا دیے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اُردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اس خطہ کے سرسری رہروں کو اکثر ایک خود رو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔ شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چار سٹ مرتب ہو کر بارہ جلدیں شائع ہوئیں گرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی مضامین کی مجالست ترتیب کی روح رواں ہے۔ وافر مواد مہیا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجالست مضامین کہیں زیادہ چست اور وسیع ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں از سرِ نو

شائع کی جاتی ہیں اور آئندہ یہ ان کی مستقل شکل رہے گی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا سٹ

معارفِ ملت

جلد اول۔ متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں جن میں دین و ایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم۔ متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعۂ کربلا کے ۱۵ جگر دوز نشتر لذت شہادت تازہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم۔ متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی شامل کیے ہیں۔ قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ میں فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابلِ قدر تحفہ ہے۔ تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے

دوسرا سٹ

جذبات فطرت

جلد اول - اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں۔ یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے۔

جلد دوم - اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالب اور اُس کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ، حسرتؔ، مومنؔ، ہانیؔ کے کلام کا انتخاب۔ غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعراء کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابلِ دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سیٹ

مناظرِ قدرت

جلد اول۔ متعلق اوقات یعنی صبح شام، دن، رات۔ دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دل کش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے نیچر پرستوں کے لیئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظم پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں

سے اُن کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم متعلق نباتات و حیوانات یعنی پھول پھل، کیڑے پتنگے، تتلیاں چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپایے اور متفرق جانور وغیرہ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اُردو شاعروں نے اشیائے قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم متعلق عمرانیات۔ یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے کھیل تماشے وضع لباس، صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم۔ سب طرح کے حالات پیشِ نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں۔ مناظرِ قدرت کی پہلی تین جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں۔ اگر آئندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاء اللہ وقتاً فوقتاً ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہے گی۔ اور ہر جلد میں معارفِ ملت۔ مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت تینوں حصّوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے ہر حصّہ

کی جُداگانہ جلد مرتب ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو امید ہے کہ اُردو کا بیشتر قابل قدر کلام یک جا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شائقین کو بلا دقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہے بلکہ اصرار تک نوبت پہونچ گئی ہے مہلت اور موقع شرط ہے۔ ممکن ہے کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرفِ مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلّا بِاللّٰہِ ؕ

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر ۱۹۲۶ء

محمد الیاس برنی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجیب افتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی ادبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزمِ سخن کی رونق اور چہل پہل قابلِ دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دھن میں مست تھے۔ شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مداحوں کی واہ واہ نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حُسن

پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے۔ یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرائش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلے دبا دیئے۔ اگر کہیں اس رنگ میں امانت، جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے مخصوص طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ ان واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجئے اس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کم یاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور

سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں۔ ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تیراتا ہے۔ ہنستوں کو رُلاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت ادب ترقی زبان اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصابِ تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات

کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملّت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجئے اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حُزن پسند ہے دوسرے اردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام یاس و اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، فنادگی و خود فراموشی، سکون و خموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے کہ اُسے سُن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو شاعری کی یہ بمودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے کہیں خدا نخواستہ جد و جہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی امنگیں پھر

سرد نہ پڑ جائیں۔ اس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہے جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرم جوشی پھیلے اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جاکر نقاشی شروع کی ہے اور ابھی وہ زمانہ دور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر منہ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجائش ہے اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہے۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانستِ مضامین کے لحاظ سے اس کے تین جداگانہ حصے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملّت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی
بقول غالبؔ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نو مشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں بھی درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابل قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے۔ خدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقاء شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر

نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو امید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھ کر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا۔ مفید مطلب مقامات چھانٹنا۔ حسب صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جداگانہ نظموں کی شکل میں لانا، پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آئندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ امید ہے کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہے ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالیٰ

ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی یا اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہے۔

ملک کو زبان اُردو کو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن)
اگست سنہ ۱۹۱۹ء

محمد الیاس برنی

جذباتِ فطرت

جلد اوّل

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامینِ متجانسہ درج ہیں

(۱) کلامِ میرؔ

	صفحہ
(۱) میر تقی	۱
(۲) کلامِ میر	۲

صفحہ

جلد ۱

(۳) فسانۂ میر	۴
(۴) بیکلی	۷
(۵) گدازِ الفت	۸
(۶) سرد مہریٔ روزگار	۹
(۷) شکایتِ زمانہ	۱۰
(۸) خلقِ خدا ملکِ خدا	۱۱
(۹) یاروں کا گلہ	۱۲
(۱۰) شکایتِ حاسد	۱۳
(۱۱) ظاہرداری	۱۵
(۱۲) شکایتِ بدعہدی	۱۷
(۱۳) مذمتِ خزانچی	۲۰
(۱۴) محبت	۲۳
(۱۵) عشق	۲۴
(۱۶) کارنامۂ عشق	۲۵
(۱۷) پروانۂ حسن	۲۶
(۱۸) جذبِ محبت	۲۸
(۱۹) کرشمۂ عشق	۲۸

صفحہ

(۲۰) اضطرابِ عشق ۲۹
(۲۱) غرقابیٔ عشق ۳۰
(۲۲) نیرنگیٔ عشق ۳۲
(۲۳) امتحانِ محبت ۳۴
(۲۴) جنونِ فراق ۳۵
(۲۵) شعلۂ عشق ۳۶
(۲۶) سیلابِ عشق ۳۹
(۲۷) حُسن ۴۰
(۲۸) خوابِ عاشق ۴۱
(۲۹) بیداریٔ ناز ۴۱
(۳۰) محبت ۴۱
(۳۱) نگاہِ الفت ۴۲
(۳۲) پیار کی باتیں ۴۲
(۳۳) آرزوے الفت ۴۳
(۳۴) شکایاتِ الفت ۴۳
(۳۵) انجامِ الفت ۴۵
(۳۶) آئینِ عشق ۴۷

جلد ۱

(۳۷) محبت کی باتیں ۴۷
(۳۸) شکوۂ الفت ۴۸
(۳۹) کشیدگی ۴۸
(۴۰) بے زبانی ۴۹
(۴۱) مت پوچھو ۵۰
(۴۲) عشق کی باتیں ۵۱
(۴۳) قاصد ۵۲
(۴۴) کیفیتِ عشق ۵۳
(۴۵) عشق ۵۴
(۴۶) رازِ عشق ۵۴
(۴۷) احوالِ عشق ۵۵
(۴۸) جوشِ عشق ۵۵
(۴۹) ماہیت دل ۵۶
(۵۰) وحشتِ دل ۵۷
(۵۱) دل ۵۸
(۵۲) اضطراب ۵۹
(۵۳) کوئے یار ۵۹

صفحہ

(۵۴) وارفتگی ۶۰
(۵۵) دل کی بیکلی ۶۱
(۵۶) بیقراری ۶۳
(۵۷) غمِ عشق ۶۴
(۵۸) دردِ عشق ۶۵
(۵۹) الفراق ۶۵
(۶۰) انجامِ فراق ۶۶
(۶۱) دردِ فراق ۶۷
(۶۲) محبّت ۶۸
(۶۳) عزم بالجزم ۶۸
(۶۴) محبّت ۶۹
(۶۵) انجامِ محبت ۶۹
(۶۶) عشق ۷۰
(۶۷) مردِ عاشق ۷۱
(۶۸) میدانِ عشق ۷۱
(۶۹) گل و بلبل ۷۲
(۷۰) صیّاد ۷۳

	صفحہ
(۷۱) موسیقی	۷۴
(۷۲) شیخ جی سے چھیڑ چھاڑ	۷۵
(۷۳) یادِ ایّام	۷۶
(۷۴) سرگزشت	۷۶
(۷۵) انقلاب	۷۷
(۷۶) کاسۂ سر	۷۸
(۷۷) درد	۷۸
(۷۸) عبرت	۷۸
(۷۹) ہم چلے	۷۹
(۸۰) عبرت	۸۰
(۸۱) طرح	۸۱
(۸۲) دورنگی	۸۲
(۸۳) حقیقتِ عالم	۸۲
(۸۴) گلزارِ امید	۸۳
(۸۵) مرزا سودا	۱۰۶
(۸۶) ہم	۱۰۶
(۸۷) آگ	۱۰۷

	صفحہ
(۸۸) فراقِ یار	۱۰۸
(۸۹) شورشِ محبت	۱۰۸
(۹۰) اسرارِ محبت	۱۰۹
(۹۱) دل	۱۱۰
(۹۲) جذبِ عشق	۱۱۱
(۹۳) احوال	۱۱۱
(۹۴) کشمکش	۱۱۲
(۹۵) تحفہ	۱۱۳
(۹۶) ناسمجھی	۱۱۳
(۹۷) سمجھ کا پھیر	۱۱۴
(۹۸) شکایتِ الفت	۱۱۴
(۹۹) ہوا سو ہوا	۱۱۷
(۱۰۰) تغافل	۱۱۷
(۱۰۱) افسردگی	۱۱۸
(۱۰۲) آخرِ شب	۱۱۹
(۱۰۳) فنا	〃
(۱۰۴) دورِ خزاں	۱۲۰

جلد

صفحہ

(۱۰۵) عبرت ۱۲۱
(۱۰۶) استغنا ۱۲۱
(۱۰۷) یاروں کا گلا ۱۲۳
(۱۰۸) پیچ ۱۲۳
(۱۰۹) مشاہدہ ۱۲۴
(۱۱۰) دھوم ۱۲۵
(۱۱۱) آتش ۱۲۶
(۱۱۲) رمز ۱۲۶
(۱۱۳) غزل ۱۲۷
(۱۱۴) کہتے ہیں ۱۲۸
(۱۱۵) حسنِ تکرار ۱۲۸
(۱۱۶) گلزار سودا ۱۲۹
(۱۱۷) کلام سودا ۱۳۰



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جذباتِ فطرت

(جلد اوّل)

۱۔ میر تقی میر

میرؔ دریا ہے۔ سُنے شعر زبانی اس کی
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی

ایک ہی عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج
اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اس کی

مینھ تو بوچھار کا دیکھا ہی برستے تم نے
اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی

بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادو تھا
پر ملی خاک میں کیا سحر بیانی اس کی

مرثیے دل کے گئی کہہ کے دیئے لوگوں کو
شہر دلّی میں ہے سب پاس نشانی اس کی

جلد ۱

آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹ بہے
دردمندی میں گئی ساری جوانی اس کی

اب گئے اس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل
حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

میرؔ

۲- کلامِ میر

شاعر نہیں جو دیکھا تو تو ہے کوئی ساحر
دو چار شعر پڑھ کر سب کو رجھا گیا ہے

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کریں
چاہیئے اہلِ سخن میرؔ کو اُستاد کریں

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے

سر سبز ہند ہی میں نہیں کچھ یہ ریختہ
ہے دھوم میرے شعر کی سارے دکن کے بیچ

کچھ ہند ہی میں میرؔ نہیں لوگ جیب چاک
ہے میرے ریختوں کا دوانا دکن تمام

اگرچہ گوشہ نشیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ
پہ میرے شعر نے روئے زمیں تمام لیا

کسو کی بات نے آگے مرے نہ پایا رنگ
دلوں میں نقش ہے میری سخن طرازی کا

جلد ۱

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

اسرار دل کے کہتے ہیں پیر و جوان میں
مطلق نہیں ہے بند ہماری زبان میں

ہے میر عجب کوئی دل ریش بر شتہ دل
بات اس کی سنو تم تو چھاتی ہی جلس جائے

ہیں گھاؤ دل پر اپنے تیغ زباں سے سب کی
تب درد ہے ہمارے اے میر ہر سخن میں

مجھکو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے
درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سُنئے گا
پڑھتے کسی کو سُنئے گا تو دیر تلک سر دھنئے گا

بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہووے گا
درد آگیں انداز کی باتیں اکثر پڑھ پڑھ رووے گا

ریختہ رتبہ کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

جلد ۱

۴ - فسانۂ میر

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یہ میرِ ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا
اندازِ سخن کا سببِ شور و فغاں تھا

جادو کی پڑی پرچۂ ابیات تھا اس کا
منھ تکیے غزل پڑھتے عجب سحرِ بیاں تھا

جس راہ سے وہ دل زدہ دلّی میں نکلتا
ساتھ اس کے قیامت کا سا ہنگامہ رواں تھا

افسردہ نہ تھا ایسا کہ جوں آبِ زدہ خاک
آندھی تھا بلا تھا کوئی آشوبِ جہاں تھا

پھرا میں صورتِ احوال ہر یک کو دکھاتا یاں
مروت قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یاں

خرابہ دلّی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا
وہیں میں کاش مر جاتا سراسیمہ نہ آتا یاں

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے یاں سدا
مشفق کوئی نہیں ہے کوئی مہرباں نہیں

اب تو افسردگی ہی ہے ہر آں
وے نہ ہم ہیں نہ وے زمانے ہیں

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

اٹھ گئے پر مرے تکیے کے کہیں گے یاں میر
دردِ دل بیٹھے کہانی سی کہا کرتے تھے

ان اُجڑی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ہے جی میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

وحشت ہے خردمندوں کی صحبت سے مجھے میر
اب جا رہوں گا واں کوئی دیوانہ جہاں ہو

جلد ا

مت رنج کھینچ مل کر ہشیار مردماں سے
اس کی خبر ملے گی اک آدھ بے خبر سے

کوئی دن کریئے معیشت جا کسو کامل کے پاس
ناقصوں میں رہیئے کیا رہیئے تو صلحبدل کے پاس

اے میر شعر کہنا کیا ہے کمالِ انساں
یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آگیا ہے

ہو کوئی بادشاہ کوئی یاں وزیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

میر کیا ہے فقیرِ مستغنی
آدے اس پاس بادشاہ تو کیا

کب ملے میر ملک داروں سے
وہ گدائے شہِ ولایت ہے

صحبت کسو سے رکھنے کا اس کو نہ تھا دماغ
تھا میر بے دماغ کو بھی کیا بلا دماغ

باتیں کرے برشتگیٔ دل کی پر کہاں
کرتا ہے اس دماغ چلے کا وفا دماغ

دو حرف زیرِ لب کہے پھر ہو گیا خموش
یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ

مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

بیہوشِ مے عشق ہوں کیا میرا بھروسہ
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا

جلد۱

رفتۂ عشق گیا ہوں میں اب کا جا چکا ہوں جہان سے کب کا

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ہم تو کھوئے گئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں

زورِ طبیعت اس کا سنے اشتیاق تھا آیا نظر جو میر تو کچھ ناتواں سا ہے

کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل لاؤبالی سا ہے پر کامل ہے میاں

وحشت ہے بہت میر کو مل آیئے چل کر کیا جانیے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

ملنے والو پھر ملے گا ہے وہ عالم دیگر میں
میر فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

بیخودی پر نہ میر کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکیں کا ہم تو واں کل دیر میر میر پکارے نہیں ہے اب

مرتے ہیں میر سب پہ نہ اس بیکسی کے ساتھ ماتم میں تیرے کوئی نہ رو دیا پکار کر

کم کسو کو میر کی میت کی ہاتھ آئی نماز
نعش پر اس بے سروپا کے بلا کثرت ہوئی

تربتِ میر پہ ہیں اہلِ سخن ہر طرف حرف ہے حکایت ہے

تو بھی تقریبِ فاتحہ سے چل
بخدا واجب الزیارت ہے

جلد ۱

میر

۴- بیکلی

نہ دماغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو غمِ یار میں
نہ فراغ ہے کہ فقیروں سے ملیں جا کے دلّی دیار میں

نہ چمن میں جاتے رہا ہے دل نہ بنوں میں پھرتے لگا ہے دل
وہی بیکلی رہی جان کو ہے سیر میں کہ شکار میں

کہے کون صیدِ رمیدہ سے کہ اُدھر بھی پھر کے نظر کرے
کہ نقاب اُلٹے سوار ہے ترے پیچھے کوئی غبار میں

جھکی کچھ کہ جی میں چُھپی سبھی، ہلی ٹک کہ دل میں کُھبی سبھی
یہ جو لاگ پلکوں میں اس کے ہے نہ چُھری میں ہے نہ کٹار میں

کوئی شعلہ ہے کہ شرارہ ہے کہ ہَوا ہے یہ کہ ستارہ ہے
یہی دل جو لے کے گڑیں گے ہم تو لگے گی آگ مزار میں

میر

جلد ۱

۵۔ گدازِ الفت

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

جو رہے یوں ہی غم کے مارے ہم
تو یہی آج کل سدھارے ہم

مرتے رہتے تھے اس پہ یوں پر اب
جا لگے گور کے کنارے ہم

دن گزرتا ہے دم شماری میں
شب کو رہتے ہیں گنتے تارے ہم

میرؔ آ ؤ گے آپ میں بھی کبھو
سخت مشتاق ہیں تمھارے ہم

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطری
یاں کسے ڈھونڈو ہو تم کیا جانیے کیدھر ہیں ہم

وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ دماغ ہے
جی تن میں اپنے بجھتا سا کوئی چراغ ہے

مدت ہوئی کہ زانو سے اٹھتا نہیں ہے سر
کڑھنے سے رات دن کے ہمیں کب فراغ ہے

دیکھیے کیا ہو سانجھ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغِ مضطر ہے

خاطر اپنی اتنی پریشاں آنکھیں پھریں ہیں اس بن حیراں
تم نے کہا دل چاہیے تو بیٹھو، دل کیا جانے کیدھر ہے

میرؔ

۶- بسر ہوئی روزگار

مدت رہا تھا ساتھ جنوں کے خراب حال
دانستہ ان سبھوں نے کیا مجھکو پائمال
آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال
یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال
اس جمع میں کسو کو نہ پایا میں دستیار

عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اُٹھا ہو کے نیم جاں
پوچھا نہ مجھکو یک لبِ ناں سے کنھوں نے یاں
کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سب جہاں
آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں
برسوں کا راز مجھ سے ہوا آخر آشکار

پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیر سے
عقدہ کھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے
فتنے ہمیشہ آتے رہے سر پہ تیر سے
ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے
لیکن ہوا نہ رفع مرے دل کا اضطرار

در پہ ہر اک دنی کے سماجت مری گئی
نالائقوں سے ملنے لیاقت مری گئی
کیا مفت ہائے شانِ شرافت مری گئی
ایسا پھرایا ان نے کہ طاقت مری گئی
مشہور شہر اب ہوں سبکسار و بے وقار

کن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے یک نگاہ
نکلے ہی کیسے طور پر اپنی سخن کی راہ

جلد ا

بولا نہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ
اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ

ہم ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہزار

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزشِ درونی سے جلتا ہی جوں چراغ

سینہ تمام چاک ہی سارا جگر ہی داغ
ہی نام مجلسوں میں مرا میر بے دماغ

ازبس کہ کم دماغی نے پایا ہی اشتہار

میر

۷۔ شکایت زمانہ

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے

رہیں جانِ غم ناک کو کاہشیں
گئیں دل سے نومید سو خواہشیں

زمانہ نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی پراگندہ دل

زمانہ نے آوارہ چاہا مجھے
مری بیکسی نے نباہا مجھے

رفیقوں سے دیکھی بہت کوتہی
غریبی نے اک عمر کی ہمرہی

مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا
غریبانہ چندے بسر لے گیا

بندھا اس طرح آہ بارِ سفر
کہ نے زادِ رہ کچھ نہ یارِ سفر

چلا اکبر آباد سے جس گھڑی
در و بام پر چشمِ حسرت پڑی
کہ ترکِ وطن پہلے کیوں کر کروں
مگر ہر قدم دل کو پتھر کروں
دلِ مضطرب اشکِ حسرت ہوا
جگر رخصتانے میں رخصت ہوا

میر

۸۔ خلقِ خدا ملکِ خدا

اب یاں سے ہم اٹھ جائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا
ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

مطلب اگر یاں گم ہوا اندیشہ کی جا گہ نہیں
جا کر کہیں کچھ پائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

دل میں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانے کو دیں ہیں انھیں
جو ہے مقدر کھائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

گو لکھنؤ ویراں ہوا ہم اور آبادی میں جا
مقسوم اپنا لائیں گے، خلقِ خدا ملکِ خدا

اس بستی سے اُٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا مشورت
وہ بھی یہی فرمائیں گے، خلقِ خدا ملکِ خدا

جلد ا

تو میرؔ ہووے گا جہاں، امرِ قضا کے تابعاں
روزی تجھے پہنچائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

میر

۹- یاروں کا گلہ

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار
کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حالِ زار

ربط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
جانتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار

سو نہ خط ان کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھ تلک
واہ وا ہے ربط رحمت ہے یہ اخلاص و پیار

لکھتے گر دو حرف لطف آمیز بعد از چند روز
تو بھی ہوتا اس دلِ بیتاب و طاقت کو قرار

خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے
آئیں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار

جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر، کاہے کا پاس
آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار

میر

۱۰۔ شکایتِ حاسد

سنیو اے اہلِ سخن بعد از سلام
چھیڑتا ہے مجھکو اک تخمِ حرام

شاعری کو میری ہو گے جانتے
تم چنانچہ سب مجھے ہو مانتے

میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار
کن دنوں تھا ہجو کا کرنا شعار

گر کنھوں نے کچھ کہا میں چپ رہا
ہجو اس کی ہو گئی اس کا کہا

کیا ہوا گر چاند پر پھینکے ہیں خاک
پڑتی ہی اُن سب کے مُنھ پر میں ہوں پاک

تھا تحمل مجھکو میں درویش تھا
دردمند و عاشق و دلریش تھا

پر کروں کیا لاعلاجی سی ہی اب
غصے کے مارے چڑھی ہی مجھکو تپ

رہیو شاہد کچھ نہیں میرا گناہ
مدعی ہے ہیچ ہی یہ روسیاہ

دشمنی تھی اس کو مجھ سے کیا ضرور — حیف ایسی عقل لعنت یہ شعور

بے سبب سرگرم کیں ہم سے ہوا — مستحقِ لعنتِ عالم ہوا

رشکِ شہرت سے مرے مرنے لگا — میری عزت کا حسد کرنے لگا

لگ گئی چپ اس کو میرے شور سے — یہ نہ سمجھا ہے خدا کی اور سے

ہوں جو میں پرتوفگن تو ہی یہ کیا — خور کے آگے ذرہ کب ٹھیرا رہا

یاں زبردستوں کو دعویٰ کھا گیا — یہ چھپا رستم کہاں سے آ گیا

خونِ دل آشام ہیں جو صبح و شام — وے بھی لیتے ہیں دبے میرا نام

کیا کمی ہی یہ جو عزت کم کرے — گو نہ شیطاں سجدۂ آدم کرے

کرتی ہی تعظیم میری کائنات — لعنت اس پر ہوتی ہی دن اور رات

ہیگی شخصیت خدا کی اور سے — ہاتھ کب آوے بزرگی زور سے

سارے عالم میں ہوں میں یہ چھایا ہوا — مستند ہے میرا فرمایا ہوا

یہ قبولِ خاطر و لطفِ سخن — دے ہی کب سب کو خدائے ذوالمنن

ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز و طور

اب چنانچہ میر و مرزا کا ہے دور

میر

جلد ۱

۱۱- ظاہر داری

آشنا میرے بھی پرانے تھے — ہیں وے یک عمر اک ٹھکانے تھے
یار تھے دوست تھے یگانے تھے — صحبتیں تھیں ہم زمانے تھے
روز و شب ہمدگر تھے قال و مقال

اب وے مختار کے ہوئے مختار — ان پہ ٹھیرا ہے سلطنت کا مدار
وہی اس عہد میں ہیں کاربرار — اس طرف سے مرا ہوا جو گزار
نکلے سن نام بہر استقبال

جب ملاقات درمیان آئی — دستخطی فرد میں نے دکھلائی
لے کے میری تشفی فرمائی — پھر نفر پاس اپنے رکھوائی
اور لگے کہنے رکھیے استقلال

فرد نواب کو دکھاؤں گا — حال صاحب کا سب جتاؤں گا
ہے مقدر تو کر ہی لاؤں گا — لے کے دفتر میں آپ جاؤں گا
آگے میرے کسے سخن کی مجال

قدر والا تمھاری ہے معلوم — خلق خادم ہے اور تم مخدوم

اس سعادت سے جو رہے محروم — ہی یقینی کہ وہ اُلاغ ہی شوم

حشر کو ہوگا مرکبِ دجّال

تم نبی فاطمہؓ ہو ہم ہیں غلام — ہی غلامی تمہاری اپنا کام

تم کو مسجود جانتے ہیں انام — تم سبھوں کے ہو پیشوا و امام

تم سے سب کو نجات کا ہی سوال

بارے رخصت کیا بصد اعزاز — اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز

ہی تمنا کہ تم سے ہوں دمساز — دل ہمارا ہو کاش محوِ نیاز

کریئے تم پر نثار جان و مال

شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد — قیدِ اندوہ سے کیا آزاد

دی بھلا روزگار کی بیداد — جانِ غمکش ہوئی نہایت شاد

کم ہوا کوئی روز سے وبال

پھر جو دو دن میں گیا ان پاس — شیخ جی نکلے اک اشرّان اس

نے وہ تعظیم و خُلق نے وہ پاس — بولے کچھ زیرِ لب اُداس اُداس

رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال

میرے تئیں بد دماغ جب پایا — سر گیا نیچے یعنی شرمایا

جلد ا

عد

جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا
تب بہانا صداع کا لایا
پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال

میں کہا وجہ ہے، کہا کہیے
میں کہا جور کب تلک سہیے
چند پامالِ چرخِ کج رہیے
جی میں ہے اب لگائیے پہیے
تاکہ گردوں کی کچھ ہو سیدھی چال

تھی جو تم سے توقعِ یاری
سو تو آئی ظہور میں ساری
ہوئی جو فرد دستخطی جاری
تو بھی یہ دن جو ایسے ہی بھاری
کاٹتا ایک طرف فقیر مثال

دستخطی فرد کا سُنا جب نام
کہنے لاگا کہ اب قریب ہے شام
بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام
پھر کسی روز کیجیئے گا کلام
اب تو میرے نہیں حواس بحال

میر

۱۲۔ شکایتِ بدعہدی

اے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے

جلد

اے جھوٹ تو شعار ہوا ساری خلق کا | کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل دلق کا

اے جھوٹ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے | اے جھوٹ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے

اے جھوٹ تیرے شہر میں ہیں تابعیں سبھی | مرجائے کیوں نہ کوئی وے سچ بولیں نے کبھی

کہنے سے آج ان کی کوئی دل نہ شاد ہو | فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو

وعدے گھڑی کے پہروں کے سب آزما چکے | برسوں تک انتظار کیا جی سے جا چکے

مشکل حصول کام ہے یاں حاصلِ کلام
باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹ دل مرا بھی بہت دردناک ہے | ان کاذبوں سے صبح نمط جیب چاک ہے

یک فرد دستخطی تھی مری ایک شخص پاس | دیکھا جو خوب اس کو تو مطلق نہیں ہے پاس

تھا میں فقیر پر نہ گیا شاہ کے حضور | اتنے لیے کہ رتبہ عزت مرا ہے دور

آدابِ سلطنت سے نہیں مجھ کو رابطہ | حرکت نہ ہوئے مجھ سے کوئی غیر ضابطہ

صحبت خدا ہی جانے پڑے کیسی اتفاق | کیا بات آوے بیچ میں۔ بے ربطگی ہے شاق

ہیں مضطرب گھر اس کے گیا اٹھ کے پانچ بار | کہنے لگا زباں سے یہ ہوتے ہی دو وچار

تقصیر میری اس میں نہ کریئے گا کچھ خیال | صاحب کہیں خموشی کروں ہے کیا مجال

لیکن یہ حرف اس بھی ہے یہ روکا لکھے یاد | اندازے سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیاد

بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں جیب میں — رکھتے ہیں یونہیں لوگوں کو برسوں فریب میں

دکھلاؤں گا چلا ہوں سوال آپ کا لئے — میں نے کہا فقیر کہو کس طرح جئے

بولا نہ ہوگا سعی میں ایدھر سے کچھ قصور — پھر دیکھئے کہ پردے سے کرتا ہی کیا ظہور

ایک آدہ ایسی بات بنا کر کھسک گیا
دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا

کی عرضیاں حضور کو بھیجیں یہ صبح و شام — دستخط جو ہو کے آئی کوئی سو اسی کے نام

یعنی جواب ان کے کچھ دیوے گا شتاب — دل جمع رکھیں کاہے کو کرتے ہیں اضطراب

دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ کچھ ہوا — مجھکو جو اضطرار تھا میں بے اجل موا

مدت مدید گزری مجھے کرتے انتظار — خجلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار

اس فرد دستخطی کو ہی یہ ماہ ہفتمیں — تنخواہ کا نہیں ہے ٹھکانا ابھی کہیں

آیا جو وہ لطیفۂ غیبی اب اپنے گھر — میں مضطرب ہو آپ گیا ملنے اس کے گھر

بارے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ — کھویا تھا اضطرار سے عز و وقار آپ

گھر آ کے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے — آئے وے اس کے پاس سے یہ کچھ جواب لے

حضرت سے کہیو پہلے بہت بندگی مری — پھر کہیو اب اترتی ہے شرمندگی مری

دو چار دن میں بھیجے گا کچھ گھر ہی آپ کے — درپے نہ اتنے ہوجئے میرے ملاپ کے

تب سے وے بھائی جاتے ہیں ہر روز صبح و شام   اب تک تو ملتوی ہے زمانہ زدے کا کام

جلد

برسوں ہوئے مہینوں کے وعدے ہوئے وعید

سچ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ان جھوٹوں سے بعید

میر

۱۳- مذمّتِ خزانچی

ایک عمدہ کے ہاں ہے اہلِ کار   فوج کے لوگوں کا سب اس پہ مدار

سو یہ بڑ چود ایسا خوش اقرار   کہے ہر ایک کو دینے سو سو بار

پھر نہ دے جز فریب تا دہ سال

جب سے یہ ہے محرّرِ دفتر   تب سے ہنگامہ ہے رہا اکثر

ہووے پرچا جو دے کسو کو زر   سو یہ ٹٹّی پڑھا نہیں ہے مگر

سب سے اس کو ہے ایک جنگ و جدال

لات مکّی ہے گہہ رُہیلوں سے   دُھول جھکّڑ ہے گاہ جیلوں سے

کم نہیں ہے کچہری میلوں سے   آتے جاتے ہیں لوگ ریلوں سے

نکلے ہے تیغ کھڑ کے ہے واں ڈھال

سہل سا مجھ کو بھی سمجھ کے فقیر
رکھنے وعدوں ہی میں لگا بی بیر
یہ نہ جانا نہیں ہے اس کی نظیر
اس کو جانیں ہیں بادشاہ و وزیر
دور تک پہنچے گی یہ قیل و قال

جلد۱

اس کی خاطر کہیں گے خرد و کلاں
سعی اس میں کریں گے عمدے بجاں
دوست اس کو رکھیں ہیں پیر و جواں
لے گا منت علی محمد خاں
رکھنا ان پیسوں کا ہے کس کی مجال

آپ نواب سن کے اس کا نام
کہے گا دو یہ پیسے جلد تمام
یاں نہ زنہار کیجو صبح و شام
ہو نہ ایسا کہ پائے طول کلام
ایک سے دس روپے ہیں کچھ بھی ہال

ہوتا اشراف تو یہ نہ پاتا
کاہے کو اپنے پردے اٹھواتا
سو جولاہوں سے اس کے تئیں ناتا
کبھو بیچے تھا بڑھیا کا کاتا
کبھو ہوتا تھا سوت کا دلال

اب ترقی ہوئی وکیل ہوا
ایک عمدہ کے گھر دخیل ہوا
فوج کے لوگوں کا کفیل ہوا
مجھ سے اڑ کر عبث ذلیل ہوا
جہل پر اس کے ہے یہ حجت دال

جلد

دے جو کچھ اس سے ایسا ویسا ہو ورنہ کیا دخل کوئی کیسا ہو

کہتا ہی ڈوں جو پاس پیسا ہو ہوتے جو دے نہ ایسا تیسا ہو

خلق ناحق ہی میرے جی کو وبال

یوں تو سو بار آؤ جاؤ گے پیسے تدریج ہی سے پاؤ گے

اور اس پر بھی جو ستاؤ گے اپنے پیسوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے

بوجھ میں اپنے سر سے دوں گا ٹال

کام جوں توں کیے میں چلاتا ہوں سو بھی سو سو دکاں پہ جاتا ہوں

قرض کچھ بن گیا تو لاتا ہوں جیسا میں نے کیا ہی پاتا ہوں

متصدی گری ہی یا جنجال

باز آتا نہیں ہی نفسِ شوم ورنہ کس سے اٹھے ہی ایسی دھوم

ہر سحر روز والوں کا ہے ہجوم ہی تمھیں حال یاں کا کیا معلوم

تم تو سونٹا لیے کرو ہو سوال

ایک دن جا گیا نفر نے شور ان نے دیکھا نہ مطلق اس کی اور

ہی غرض صحبت اپنی اس کی زور وہ تو مجھر کی جھول کا ہی چور

میں بھی کھینچوں گا خوب اس کی کھال

بد زبانی نہیں ہی اتنی خوب
بات اچھی نہیں ہی بے اسلوب
گفتگو اس طرح کی ہی معیوب
مل رہیگا جو کچھ کہ ہے مطلوب

بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

جلد ا

میر

۱۴- محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہی نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبّب محبت سبب
محبت سے آتے ہیں کارِ عجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی
محبت ہی اس کارخانہ میں ہی
محبت ہی سب کچھ زمانہ میں ہی
محبت سے کس کو ہوا ہی فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ
محبت اگر کار پرداز ہو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو
محبت عجب خوابِ خونریز ہی
محبت بلائے دل آویز ہی
محبت کی ہیں کار پردازیاں
کہ عاشق سے ہوتی ہیں جانبازیاں
محبت کی آتش سے اخگر ہی دل
محبت نہ ہوئے تو پتھر ہی دل

جلد۱

محبت ہی سے دل کو رو بیٹھیے
محبت میں جی مفت کھو بیٹھیے

محبت لگاتی ہے پانی میں آگ
محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ

محبت سے رو رو تے گئے یار خوں
محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں

محبت سے پروانہ آتش بجاں
محبت سے بلبل ہے گرم فغاں

اسی آگ سے شمع کو ہے گداز
اسی کے لیے گل ہے سرگرم ناز

میر

۱۵۔ عشق

گیا قیس ناشاد اس عشق میں
کھپی جانِ فرہاد اس عشق میں

ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ
کیا اس سے لیلیٰ نے خیمہ سیاہ

سنا ہوگا وامق پہ جو کچھ ہوا
نل اس عشق میں کس طرح سے موا

جو عذرا پہ گزرا سو مشہور ہے
دمن کا بھی احوال مذکور ہے

ستم اس بلا کے یہ سہتے گئے
سب اس عشق کو عشق کہتے گئے

اس آتش سے گرمی ہے خورشید میں
یہی ذرہ کی جان نومید میں

اسی سے دلِ ماہ ہی داغدار کتاں کا جگر ہے سراسر فگار
اسی سے قیامت ہی ہر چار اور اسی فتنہ گر کا ہی عالم میں شور
کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ واں نہوا اس سے آشوبِ محشر عیاں
کب اس عشق نے تازہ کاری نہ کی کہاں خون سے غازہ کاری نہ کی
زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار
غرض ہی یہ اعجوبۂ روزگار

میر

۱۶۔ کارنامۂ عشق

زہے عشق نیرنگ سازی تری کہ ہی کھیلنا جی یہ بازی تری
تجھے ربط کُفار و دیندار سے تجھے رشتۂ تسبیح و زنار سے
ترا جذب دریا کو بہنے نہ دے ترا شور صحرا کو رہنے نہ دے
تجھی سے ہی آبِ رُخِ زرد زرد تجھی سے مرے دل میں اٹھتا ہی درد
تجھی سے ہی بلبل کو نوحہ گری تجھی پر ہی قمری بھی خاکستری
تجھی سے دلِ شاد غمناک ہی تجھی سے مرا سینہ صد چاک ہی

جلد ۱

تجھی سے ہی مجنونِ صحرا نورد — تجھی سے ہی فرہاد کوہوں پہ مرد
تجھی سے دلِ عاشقاں ہی کباب — تجھی سے ہی پروانہ آتش کا باب
ترا کام دینا ہے بدنامیاں — تری ریجھ دیکھی ہیں ناکامیاں
تجھی میں ہیں یہ کارپردازیاں
تجھی پر ہیں موقوف جانبازیاں

میر

۱۷۔ پروانۂ حسن

ایک جا اِک جوانِ رعنا تھا — لالہ رخسار و سروِ بالا تھا
عشق رکھتا تھا اس کی چھاتی گرم — دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم
شوق تھا اس کو صورتِ خوش سے — اُنس رکھتا تھا وضعِ دلکش سے
تھا طرحدار آپ بھی لیکن — رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن
دیکھتا گر کہیں وہ چشمِ سیاہ — دل سے بے اختیار کرتا آہ
زلف ہوتی کسو کی گر برہم — دیکھتے اس کے حال کو درہم
سر میں تھا شور، شوق دل میں تھا — عشق ہی اس کے آب و گل میں تھا

الغرض وہ جوانِ خوش اسلوب — ناشکیبا رہے تھا بے محبوب

ایک دن بیکلی سے گھبرایا — سیر کرنے کو باغ میں آیا

کسو گل پاس وہ صنم ٹھیرا — کہیں سبزے میں ایک دم ٹھیرا

اک خیابان میں سے ہو نکلا — ایک سائے تلے سے رو نکلا

نہ تسلّی ہوا دلِ بے تاب — نہ تھما چشمِ تر سے خونِ ناب

دل کی واشد سے بے توقع ہو — ہر شجر کے تلے بہت سا رو

دیکھ گلشن کو نا اُمیدانہ
مُنہ کیا ان نے جانبِ خانہ

ناگہ اک کوچہ سے گزار ہوا — آفتِ تازہ سے دوچار ہوا

ایک غرفے سے ایک مہ پارہ — تھی طرف اس کے گرمِ نظّارہ

پڑ گئی اس پہ اک نظر اس کی — پھر نہ آئی اسے خبر اس کی

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی — وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ — صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

بیقراری نے کج ادائی کی — تابِ طاقت نے بے وفائی کی

مُنہ جو اس طرف سے اس کی پھرا — مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا

جلد
کھیں

جلد ا

۱۸۔ جذبِ محبّت

جس سے جی کو کمال ہو الفت جس سے دل کی درست ہو نسبت
جنبش اس کی پلک کو گر واں ہو دل میں یاں کا وِشِ نمایاں ہو
واں اگر ہو شکست کا ہو باب یاں رگِ جاں کو ہوئے پیچ و تاب
واں اگر پاؤں میں لگے ہی خار دل سے یاں سر نکالے ہی یک بار
یار کو دردِ چشم گر ہوئے چشمِ عاشق لہو میں تر ہوئے
چاک دامن ہیں واں پئے زینت یاں گریباں ہی چاکِ گل کی صفت
واں دہن تنگ یاں ہی دل تنگی
حسن اور عشق میں ہے یکرنگی

میر

۱۹۔ کرشمۂ عشق

یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے فتنہ سازی میں اک قیامت ہی
جس کسو سے یہ پیار رکھتا ہی عاقبت اس کو مار رکھتا ہی

جذب سے اپنے جب کری ہی کام — عاشقِ مردہ سے بھی لے ہی کام
خاک ہو کیوں نہ عاشقِ بیدل — کام سے اپنے یہ نہیں غافل

جلد ۱

وصل جیتے نہ ہو میسر اگر
لاوے معشوق کو یہ تربت پر

میر

۲۰- اضطرابِ عشق

دل تڑپتا ہے متصل میرا — مرغِ بسمل ہے یا کہ دل میرا
وحشتِ طبع اب تو افزوں ہی — حال جی کا مرے دگرگوں ہی
بیدماغی کمال ہوتی ہے — جان تن کا وبال ہوتی ہے
دل کوئی دم میں خون ہووے گا — آج کل میں جنون ہووے گا
بیکلی جی کو تاب دیتی ہے — طاقتِ دل جواب دیتی ہے
جی میں آتا ہی ہوں بیابانی — پر کہوں ہوں کہ ہے یہ نادانی
مصلحت ہی کہ مجھکو لے چل گھر — ایک دو دم رہیں گے دریا پر
گاہ باشد کہ دل مرا وا ہو — ورنہ کیا جانئے کہ پھر کیا ہو

(میر)

۲۱- غرقابیِ عشق

صبح گاہاں وہ غیرتِ خورشید — اس جگہ سے رواں ہوئی نومید

پہنچی نصف النہار دریا پر — روئی بے اختیار دریا پر

حد سے افزوں جو بیقرار ہوئی — دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی

حرف زن یوں ہوئی کہ اے دایہ — یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ

موج سے تھا کدھر کو ہم آغوش — تھا تلاطم سے کس طرح ہمدوش

تجھکو آیا نظر کہاں آکر — پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جاکر

مجھکو دیجو نشان اس جا کا — میں بھی دیکھوں خروش دریا کا

ہوں میں نا آشنائے بحرِ آب — ناشناسائے موجۂ گرداب

لجّہ کیا۔ لطمہ کس کو کہتے ہیں — گھر میں ہم نام سنتے رہتے ہیں

ہیں میسر کہاں یہ سیرِ عبور — اتفاقی ہیں اس طرح کے امور

مکر میں گرچہ دایہ تھی کامل — لیک تہ سے سخن کے تھی غافل

یہ نہ سمجھی کہ ہے فریبِ عشق — ہے یہ مہ پارہ ناشکیبِ عشق

بیچ دریا کے جا کہا یہ حرف — یاں ہوا تھا وہ ماجرائے شگرف

یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند
پھر نہ تھا کچھ سراب کے مانند

جلد ۱

سنتے ہی یہ کہاں کہاں گر کر | گر پڑی قصدِ ترکِ جاں کر کر
موج ہر یک کمندِ شوق تھی آہ | لپٹی اس کو برنگِ مارِ سیاہ
دام گستردہ عشق تھا تہِ آب | جس کے حلقے تمام تھے گرداب
حسن موجوں میں یوں نظر آوے | نورِ مہتاب جیسے لہراوے
تھی وہ اس کی حنائی انگشتاں | غیرت افزائے پنجۂ مرجاں
سر پہ جس دم کہ آب ہو کے بہا | سطح پانی کا آئینہ سا رہا
کششِ عشق آخر اس بہ کو | لے گئی کھینچتی ہوئی تہ کو
باہم آغوش مردہ یار ہوئے | تہ میں دریا کے ہم کنار ہوئے
پاک کی زندگی زآلائش | ہو گئے دست و بغل کی آسائش
سر پٹکتی جو گھر گئی دایہ | آفت اک لے گئی نئی دایہ
اب و عم مادر و برادر سب | خاک افشان و آہ و نالہ بلب
سوئے دریا رواں ہوئے گریاں | آتشِ غم سے دل جگر بریاں
خلق یکجا ہوئی کنارے پر | حشر برپا ہوا کنارے پر

جلد

دلداروں سے سب نے کام لیا
آخر ان کو اسیرِ دام کیا

نکلے باہر ڈرے ہوئے نکلے
دونوں دست و بغل ہوئے نکلے

ربطِ چسپاں بہم ہویدا تھا
مر گئے پر بھی شوق پیدا تھا

ایک کا ہاتھ ایک کی بالیں
ایک کے لب سے ایک کو تسکیں

جو نظر ان کو آن کرتے تھے
ایک قالب گمان کرتے تھے

کیا لکھوں مل رہے تھے وصلی وار
ہم دگر سے جدا ہوئے دشوار

کیوں نہ دشوار ہوئے ان کا فصل
جان دیدے ہوا ہو جن کا وصل

حیرتِ کارِ عشق سے ہر دم
شکلِ تصویر آپ میں تھے گم

میر

۲۲۔ نیرنگیٔ عشق

عشق ہی تازہ کار و تازہ خیال
ہر جگہ اس کی اک نئی ہی چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہِ سرد ہوا

کہیں آنکھوں سے ہو کے خون بہا
کہیں سر میں جنون ہو کے رہا

کہیں رونا ہوا ندامت کا — کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا

تھا کسو دل میں نالۂ جاں کاہ — ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ

ہے کہیں دل جگر کی بیتابی — تھا کسو مضطرب کی بے خوابی

کہیں عشاق کی نیاز ہوا — کہیں اندوہِ جاں گداز ہوا

کبھو افغانِ مرغِ گلشن تھا — کبھو قمری کا طوقِ گردن تھا

ایک عالم میں دردمندی کی — ایک محفل میں جا سپندی کی

ایک دل سے اُٹھے ہے ہو کر دُود — ایک لب پر سخن ہے خوں آلود

اک زمانہ میں دل کی خواہش تھا — اک سمیں میں جگر کی کاہش تھا

کہیں بیٹھے ہے جی میں ہو کر چاہ — کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ

خار خارِ دلِ غریباں ہے — انتظارِ بلا نصیباں ہے

کشش اس کی ہے ایک اعجوبا — ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا

کون محرومِ وصل یاں سے گیا — کہ نہ یار اس کا پھر جہاں سے گیا

کام میں اپنے عشق یکتا ہے — ہاں یہ نیرنگ ساز یکتا ہے

جس کو ہو اس کی التفات نصیب — ہے وہ مہمان چند روزہ غریب

ایسی تقریب ڈھونڈ لاتا ہے — کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

جلد

میر

جلد

۲۳-امتحانِ محبت

پئے امتحانِ عاقبت یک نفر
مقرر ہوا تا کہ جا اس کے گھر

کہے غرقِ دریا ہوا پر سرام
ہوئی زندگانی کی صبح اس کی شام

گیا تھا نہانے کو وقتِ سحر
سو ڈوبا وہ خورشید روشن گہر

نہ سمجھا وہ نافہم اسرارِ عشق
نہ سونچا وہ ناتجربہ کارِ عشق

کہا غرقِ دریا ہوا پر سرام
ہوا کام اس رشکِ مہ کا تمام

سُنا اس کے ہمسر نے جب یہ سخن
ہوا موج زن بحرِ رنج و محن

نگہ اک طرف ڈر کے مایوس کی
دمِ سرد کھینچا گیا ڈوب جی

وہی بیخودی رخصتِ جان تھی
وہ اک دم کی گویا کہ مہمان تھی

گری ہو کے بیجان وہ دردمند
ہوا شور نوحے کا گھر سے بلند

موئی غم میں اس حجلہ تن ناز کے
گئی جان ہمرہ سخن ساز کے

وہ آیا جو تھا دل پریشاں گیا
کہ اس واقعے سے پشیماں گیا

نمناز

خبر لے گیا اس کنے زود تر جو تھا در پئے امتحاں بے خبر
کہ وہ رشکِ مہ امتحاں دے گئی محبت کے ناموس کو لے گئی
موا سُن پریسرام کے تئیں موئی مرے اک سخن میں قیامت ہوئی
اگرچہ نہ کچھ ان نے مُنہ سے کہا
دیا جی وِلے جی اسی میں رہا

میر

جلد

۲۴۔ جنونِ فراق

گیا ہوش سُن کر پریسرام کا دِوانہ ہوا عشق کے کام کا
اُٹھا بے خود و بیخبر بے حواس گرا آ کے اس پیکرِ مردہ پاس
زمیں پر سے آخر اُٹھایا اسے لبِ آب جا کر جلایا اسے
جب آگ اس کے پیکر پہ سب چھا گئی محبت عجب داغ دکھلا گئی
یہ سرگرمِ فریاد و زاری ہوا لہو اس کی آنکھوں سے جاری ہوا
جگر غم میں یک لخت خوں ہو گیا رُکا دل کہ آخر جنوں ہو گیا
گئے ہوش و صبر اس کے یکبارگی طبیعت میں آئی اک آوارگی

جلد

سراسیمگی سے بگولا ہوا — پھرے اس طرح جیسے بھولا ہوا

نہ جی کو تسلی نہ دل کو قرار — کفِ غم میں سر رشتۂ بے اختیار

کبھو یاد کر اس کو نالاں رہے — کبھو ٹک جو بھولے تو حیراں رہے

کبھو یاں کبھو واں بحالِ خراب — وہی بے قراری وہی اضطراب

رہے گھر تو آشوب گہ وہ گلی — چمن میں جو لے جائیں تو بیکلی

کبھو متصل ہونٹھ پر آہِ سرد — کبھو دست بر دل کہ دل میں ہے درد

ہوئی رفتہ رفتہ جو وحشت زیاد — لگا بھاگنے سب سے وہ نامراد

کچھ اپنے بد و نیک کی سُدھ نہیں — نکل جائے تنہا کہیں کا کہیں

کبھو جا کے صحرا سے لاویں اسے — کبھو روتے دریا پہ پاویں اسے

کبھو خاک ملتا ہی مُنہ پر کھڑا

کہیں ہی خرابے میں بے سُدھ پڑا

میر

۲۵۔ شعلۂ عشق

ہوئے عاقبت سوئے دریا رواں — نہ پیدا کسو پر یہ رازِ نہاں

جلد

کہ اک آگ سلگی ہی واں یک کنار   محبت کمیں میں ہی سرگرم کار
کسو اشتعالک کی ہے منتظر   جہاں سر کو کھینچا قیامت تھی پھر
ہوئے ناؤ پر شام گہہ جب سوار   کہا ان نے یاں ایک ہی دامدار
اسے ساتھ لو تو بڑی بات ہی   کہ دریا میں پھرنا ہی اور رات ہی
لیا آخرالامر ہمرہ اُسے   بٹھایا قریب اپنے یہ کہہ اُسے
تنک دُور چل کر کیا یہ سوال   مجھے ہی ترے حرفِ شب کا خیال
کہاں شعلۂ سرکش آتا ہی یاں   کدھر پیچ و تاب آکے کھاتا ہی یاں
کہاں لے ہی دریا پہ یک دم قرار   کدھر مضطرب ہو کرے ہی گزار
ٹھہرتا ہی کس جا وہ آتش فگن   طرف کون سی ہو ہی گرمِ سخن
یہ صیاد سے تھا ہی محوِ سراغ   جگر آتشِ شوق رکھتی تھی داغ
کہ ہو کر فراغ اک سوئے آسماں   تڑپنے لگا جیسے آتش بجاں
کوئی دم میں دریا پہ آیا فرود   ہوا نیزہ بالا سبھوں کو نمود
لبِ آب وہ شعلۂ جاں گداز   تڑپ کر بہت بازبانِ دراز
پکارا کہاں ہی پرسرام تو   محبت کا ٹک دیکھ انجام تو
کہ میں جملہ تن آتشِ تیز ہوں   دلِ گرم سے شعلہ انگیز ہوں

جلد

بھڑکتی ہی جب آگ دل کی مرے   لبِ آب اُتروں ہوں غم میں ترے

مگر سوزشِ دل ہو کم آب سے   بُجھے جی مرا اس تب و تاب سے

سو یہ آب رکھتا ہی روغن کا کام

کیا عشق نے آہ دشمن کا کام

یہ بیتاب سُن کر ہوا بے قرار   سفینے سے اُترا بصد اضطرار

ہوا ہمدم اس آتش انگیز سے   کہا اس بلائے دل آویز سے

کہ میں ہوں پرسرام خانہ خراب   مرا دل بھی اس آگ سے ہی کباب

مرے بھی جگر میں یہی سوز ہے   یہی مجھکو جلنا شب و روز ہے

سخن مختصر کچھ وہ شعلہ چلا   کچھ اک اپنی جاگہ سے یہ دل چلا

بہم گرمجوشی سے یکجا ہوئے   کہ گزری تھی مدت بھی تنہا ہوئے

وہ شعلہ رہا ایک جا مشتعل   کہے تو تسلی ہوئے جان و دل

یکایک بھڑک کر وہ جلنے لگا   پھر ایدھر اُدھر پھرنے چلنے لگا

کیا پاس پانی کے آکر صعود   رہی روشنی سی کوئی دم نمود

پھر آگے کسو پر نہ پیدا ہوا   نہ جانا کہ وہ شعلہ پھر کیا ہوا

خبردار ہو اہلِ کشتی تمام   لگے کہنے باہم نہیں پرسرام

جلدا

اُٹھے ڈھونڈنے ہو کے سب ناصبور | کنارے پہ دریا کے نزدیک و دور
گئے مضطرب حال سارے رواں | تڑپتا تھا وہ شعلہ آگر جہاں
نہ پایا کہیں اس کو حیراں ہوئے | نہایت ہی خاطر پریشاں ہوئے
تلاش اس کی کی اور لے لیکے نام | پکارے بہت پر کہاں پرسرام

محبت نے ایسا چھپایا اُسے
کہ ہرگز کنھوں نے نہ پایا اُسے

میر

۲۶ ـ سیلابِ عشق

عجب عشق ہی مرد کار آمدہ | جہاں دو توں اس کے ہیں برہم زدہ
محبت ہی نیرنگ سازِ عجیب | فسانے ہیں اس کے عجیب و غریب
کوئی عشق کرنا دھرا تھا ورے | گئے میکدے سے بھی صوفی پرے
نہ واں مکر و نے شید و طامات ہی | خرابات جائے کرامات ہی
ہوئے عشق میں زہد کیشاں خراب | رہے دل شکستہ پریشاں خراب
اُٹھا عشق کا شور عزلت گزیں | گئے دشت گردی کو کر ترک دیں

جلد

ہوا عشق سے مجلسِ حالِ دہر
تواجد لگے کرنے شیخانِ شہر

محبت کے ساغر کش اہلِ صلاح
یہ بیہوش دارو ہی ان کی فلاح

کوئی ہوش میں اپنے رہتا نہیں
ہر اک چپ ہی کچھ کوئی کہتا نہیں

نہ سبحہ نہ زنّار نے کفر و دیں
جہاں سب ہی عشق اور کچھ بھی نہیں

یہی عشق جس سے کہ حاصل ہی کام
یہی عشق ہی جس سے نکلا ہی نام

میر

۲۷۔ حُسن

کِھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہی
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہی

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہی

میر

جلد۱

۲۸۔ خوابِ عاشق

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اُٹھے ہو
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

وہ تو گلے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں
بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے

میر

۲۹۔ بیداریٔ ناز

تھی صبح جو منہ کو کھول دیتا
ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات

پر زلفوں میں منہ چھپا کے بولا
اب ہوئیگی میر کس قدر رات

میر

۳۰۔ محبت

گرچہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو
آرزو ہے کہ تم اِدھر دیکھو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے
آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو

یوں عرق جلوہ گر ہے اس منہ پر
جس طرح اوس پھول پر دیکھو

جلد۱

رنگِ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہے ایک شب اور یہاں سحر دیکھو

دل ہوا ظرف ہے محبت کا
خون کے قطرہ کا جگر دیکھو

میر

۳۱۔ نگاہِ الفت

نیچی آنکھیں ہم اس کو دیکھا کیے کبھو اونچی نگاہ کرتے تھے
نظر بھر دیکھتا کوئی تو تم آنکھیں چھپا لیتے سماں اب یاد ہوگا کب تمہیں وہ خُردسالی کا
نظر اُٹھتی نہیں کہ جب خوباں سوتے سے اُٹھ کے آنکھ ملتے ہیں

میر

۳۲۔ پیار کی باتیں

مت آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر غمزے ہیں بلا ان کو نہ سنکار دیا کر
آئینہ کی مشہور پریشاں نظری ہے تو سادہ ہے ایسوں کو نہ دیدار دیا کر
کیوں آنکھوں پہ سرمہ کا تو دنبالہ کھینچے ہے مت ہاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر

میر

جلد

۳۳ - آرزوئے الفت

درسے کبھو جو آتے دیکھا ہی میں نے اس کو — تب سے ادھر ہی اکثر میری نظر رہے ہے

یاں جو وہ نونہال آتا ہے — جی میں کیا کیا خیال آتا ہے

مقدور بھر تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں — منہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے

میر

۳۴ - شکایاتِ الفت

(۱)

یا ساتھ غیر کے ہی تمہیں ایسی بات چیت — سو سو طرح کے لطف ہیں اک اک سخن کے بیچ

یا پاس میرے لگتی ہے چپ ایسی آن کر — گویا زباں نہیں ہے تمہارے دہن کے بیچ

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا — آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں — میر کو تم عبث اداس کیا

(۲)

رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے — جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ

اتنا کہا نہ تم سے نے ہم سے کبھو کہ آؤ — کاہیکو یوں کھڑے ہو وحشی سے بیٹھ جاؤ
جلد ناچار ہو رخصت جو منگا بھیجی تو بولا — میں کیا کروں جو میر جی جاتے ہیں بیٹھ جاؤ ہاریں

آئے ہیں میر منہ کو بنائے خفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اُس بے وفا سے آج

(۳)

ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں سے — کوئی اخلاص پیار رہتا ہے
دماغ ناز برداری نہیں ہے کم دماغی سے — کہاں تک ہر گھڑی کے روٹھے کو پھر منا ؤں گا
جاتی نہیں اُٹھائی یہ اب سرگرانیاں — مقدور تک تو اپنے گئے ٹال ٹال ہم
اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو — جاتی نہیں ہے مجھ سے کسو کی اُٹھائی بات
خشونت بدسلوکی خشمگینی کس لئے اتنی — نہ منہ کو پھیرئیے پھر یاں نہ آؤں گا جو جاؤں گا

اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں
ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے

(۴)

غصے سے اُٹھ چلے ہو تو دامن کو جھاڑ کر — جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر
دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے — پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کر

(۵)

جلد

جھوٹے بھی پوچھتے نہیں ٹک حال آن کر
انجان اتنے کیوں ہوئے جاتے ہو جان کر

کہتے نہ تھے کہ جان سے جاتے رہیں گے ہم
اچھا نہیں ہے آ نہ ہمیں امتحان کر

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر

افسانے ماؤ من کے سنیں میر کب تلک
چل اب کہ سو ویں منہ پہ دوپٹے کو تان کر

اے شورِ قیامت ہم سوتے ہی نہ رہ جاویں
اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگا جانا

میر

۳۵۔ انجامِ الفت

ہائے خطاب کیا گیا۔ دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا

ہم دل زدہ نہ رکھتے تھے تم سے یہ چشم داشت
کرتے ہو قہر لطف کی جا گہہ غضب ہی کیا

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کئے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہی کیا

کیوں کر تمہاری بات کرے کوئی اعتبار
ظاہر میں کیا کہو ہو سخن زیرِ لب ہی کیا

تکلیف نہ کی تم نے اس وحشی کو مرنے کی — تھا میر تو ایسا بھی دل جی سے اٹھا جاتا

جلد۱

فقیر بستی میں تھا تو ترا زیاں کیا تھا — کبھو جو آن نکلتا کوئی صدا کرتا

خراب مجھ کو کیا دل کی لاگ نے ورنہ — فقیر کاہے کو تکیے سے یوں اٹھا کرتا

وائے احوال اس جفاکش کا — عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

کون جی سے نہ جائے گا اے میر

حیف یہ ہے کہ تو جوان گیا

کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگانا تھا — اس جان کی جوکھوں کو اس وقت نہ جانا تھا

ہر آن تھی سرگوشی، یا بات نہیں گاہے — اوقات ہے اک یہ بھی اک وہ بھی زمانہ تھا

جب تو نے نظر پھیری تب جان گئی اس کی — مرنا ترے عاشق کا۔ مرنا کہ بہانا تھا

کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کی ہجراں میں — اس چہرہ کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اک محوِ تماشا ہیں اک گرم ہیں قصہ کے — یاں آج جو کچھ دیکھا سو کل وہ فسانا تھا

کہتے نہ تھے ہم واں سے پھر آ چکے جیتے تم

میر اس گلی میں تم کو زنہار نہ جانا تھا

میر

جلد۱

۳۶۔ آئینِ عشق

ملتفت ہوتا نہیں ہے گاہ تو　　کس قدر مغرور ہے اللہ تو

مجھ سے کتنے جان سے جاتے رہے　　کس کی میت کے گیا ہمراہ تو

اس کے دل میں کام کرنا کام ہے　　یوں فلک پر کیوں نہ جائے آہ تو

میرؔ تو تو عاشقی میں کھپ گیا

مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

میرؔ

۳۷۔ محبت کی باتیں

کچھ تمہیں ملنے سے بیزار ہو میرے ورنہ　　دوستی ننگ نہیں عیب نہیں عار نہیں

ناز و انداز و ادا عشوہ و اغماض و حیا　　آب و گل میں ترے سب کچھ ہے مگر پیار نہیں

صورت آئینہ میں ٹک دیکھ تو کیا صورت ہے　　بدزبانی تجھے اس منہ پہ سزاوار نہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں اے ناصح

تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں

میرؔ

جلال

۳۸۔ شکوۂ الفت

جو تو ہی صنم ہم سے بیزار ہوگا — تو جینا ہمیں اپنا دشوار ہوگا
غم ہجر رکھے گا بیتاب دل کو — ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہوگا
اُچٹتی ملاقات کب تک رہی گی — کبھو تو تہ دل سے بھی یار ہوگا
تجھے دیکھکر لگ گیا دل۔ نجانا — کہ اس سنگ دل سے ہمیں پیار ہوگا

یہی ہوگا کیا ہوگا میر ہی نہ ہوں گے
جو تو ہوگا بے یار و غمخوار ہوگا

میر

۳۹۔ کشیدگی

ظلم و ستم کیا جور و جفا کیا جو کچھ کہے اُٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں۔ رہتا نہیں دل پھر آتا ہوں

آنے کی میرے فرصت کتنی دو دو پل ایک ایک گھڑی
رنجش کیوں ، کاہیکو خشونت ، غصہ کیا میں جاتا ہوں

کبھو ملے ہی سو وہ یوں کہ پھر ملا نہ کریں — کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم گلا نہ کریں

میر

جلد۱

۴۰۔ بے زبانی

سینکڑوں حرف ہیں گرہ دل میں
پر کہاں پائے لبِ اظہار

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم
پر سخن تا بلب نہیں آتا

کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا

جنبش بھی اس کے آگے ہونٹوں کو ہو تو کہیو
یوں اپنے طور پر تم باتیں بہت بنا لو

اس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لئے چپکا چلا جاتا ہوں

دل میں کتنے مسوّدے تھے ولے
ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

جی میں تھا اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے میرؔ
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

کہتے تھے اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہئے لیک
وہ آگیا تو سامنے اس کے نہ آئی بات

دیر کچھ کھینچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات
ملنا اپنا جو ہوا اس سے سو وہ بات کی بات

بات اپنے ڈھب کی کوئی کرے وہ تو کچھ کہوں
بیٹھا خموش سامنے ہوں ہوں کروں ہوں میں

کتنی باتیں بنا کے لاؤں لیک
یاد رہتی ترے حضور نہیں

جی میں بگڑ رہا ہے تب میرؔ چپ ہی بیٹھا
چھیڑا بھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لاوے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میرؔ جی آئے کیوں ہو خفا سے

اب تو چپ لگ گئی ہی حسرت سے — پھر کھلے گی زبان جب کی بات

جلد۱

احوال میر جی کا مطلق گیا نہ سمجھا

کچھ زیر لب کہا بھی سو دیر دیر رو کر

میر

۱۵ - مت پوچھو

حالِ دلِ میر کا اے اہلِ وفا مت پوچھو — اس ستم کشتہ پہ جو گزری جفا مت پوچھو

وقتِ قتل آرزوئی دل جو لگے پوچھنے لوگ — میں اشارت کی اُدھر ان نے کہا مت پوچھو

خواہ مارا انھیں نے میر کو خواہ آپ موا

جانے دو یارو جو ہونا تھا ہوا مت پوچھو

نالۂ شب نے کیا ہی جو اثر مت پوچھو — ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہی جگر مت پوچھو

گیا پھرے وہ وطن آوارہ گیا اب سو گیا — دلِ گم کردہ کی کچھ خیر خبر مت پوچھو

مرنے میں بند زباں ہونا اشارت ہی ندیم

یعنی ہی دُور کا درپیش سفر مت پوچھو

اس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو — جی ہی جانے ہی آہ مت پوچھو

تو گرفتارِ دامِ زلف اس کا
ہے یہی روسیاہ مت پوچھو

تھا کرم پر اسی کے شربِ مدام
میرے اعمال آہ مت پوچھو

تم بھی اے مالکانِ روزِ جزا
بخش دو اب گناہ مت پوچھو

محرمابیدمی کا میرے سبب مت پوچھو
ایک دم چھوڑ دو یونہی مجھے اب مت پوچھو

لب پہ شیون مژہ پر خون و نگہ میں اک یاس
دن گیا ہجر کا جس ڈھنگ سے شب مت پوچھو

گریۂ شمع کا اے ہم نفساں میں تھا حریف
گزری ہے رات کی صحبت بھی عجب مت پوچھو

میرؔ صاحب یہ نئی طرز ہو اس کی تو کہوں
موجبِ آزردگی کا وجہِ غضب مت پوچھو

میرؔ

۴۲ عشق کی باتیں

گہ سرگزشت ان نے فرہاد کی نکالی
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے

اک آفتِ زماں ہے یہ میرؔ عشق پیشہ
پردہ میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

میرؔ

جلد

۳۴۔ قاصد

کاتب کہاں دماغ جوابِ شکوہ اٹھائیے — بس ہی یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد — آخرِ کار کیا کہا قاصد

گر پڑا خط تو تجھ پہ حرف نہیں — یہ بھی میرا ہی تھا لکھا قاصد

اب غرض خامشی ہی بہتر ہے — کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد

یہ تو رونا ہمیشہ ہی مجھکو — پھر کبھو پھر کبھو بھلا قاصد

کُہنہ قصہ لکھا کروں تا کے — بھیجا کب تک کروں نیا قاصد

ہے طلسمات اس کا کوچہ تو

جو گیا سو وہیں رہا قاصد

دُور تلک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا

شوقِ ستم کش ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات

ناخواندہ خطِ شوق لگے چاک کرنے تو — قاصد تو کہیو ٹک کہ جفا کار دیکھکر

دو حرف اس کے مُنہ کے تو لکھ بھیجو بیتاب — قاصد چلا ہی چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے

میر

۴۴ - کیفیتِ عشق

یاد اس کی اتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
ناداں پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں کوئی دل کو جیسے ملا کرے ہی

چھاتی جلا کرے ہی سوزِ دروں بلا ہی
اک آگ سی رہے ہی کیا جانیے کہ کیا ہی

گر عشق نہیں ہی تو یہ کیا ہی بھلا مجھکو
جی خود بخود اے ہمدم کاہیکو کھپا جاتا

عشق ہمارے خیال پڑا ہی خواب گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھیر گیا ہی صبح گیا یا شام گیا

میر

۴۵ - عشق

دل سے شوقِ رُخِ نکو نہ گیا
جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھا
آئینہ کو لپکا ہی پریشاں نظری کا

آنکھوں میں جی مرا ہی ادہر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

اُن نے پہچان کر ہمیں مارا
مُنہ نہ کرنا ادہر تجاہل تھا

جلد

جہاں کو فتنہ سے خالی کبھو نہیں دیکھا — ہمارے وقت میں تو آفتِ زمانہ ہوا

آشنا نہ تجھ سے ملتے نہ دل کو کھو کے روتے — جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا

خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا — کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ ہی مدت کا

عاشق ہیں ہم تو میرؔ کے بھی ضبطِ عشق کے — دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

زار رکھا بے حال رکھا بیتاب رکھا بیمار رکھا — حال رکھا تھا کچھ بھی ہم میں عشق نے آخر مار رکھا

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشتِ غبار لے کے صبا نے اُڑا دیا

میرؔ

۴۶ - رازِ عشق

میرؔ سے پوچھا جو میں عاشق ہو تم — ہو کے کچھ چپکے سے شرمائے بہت

چپکا چپکا پھرا نہ کر تو غم سے — کیا حرف و سخن عیب ہے کچھ محرم سے

آخر کو رُکے رہتے جنوں ہوتا ہے — اے میرؔ کوئی بات کیا کر ہم سے

پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج — بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اُٹھا دیا

رازِ دل چھپ نہ سکا آنکھوں کے بھر آنے سے — رو دیا بزم میں میں غیروں کے سمجھانے سے

جیب اور آستیں سے رونے کا کام گزرا
سارا نچوڑ اب تو دامن پر آ رہا ہی

کاہیکا پاس اب تو رسوائی دور پہنچی
رازِ محبت اپنا کس سے چھپا رہا ہی

میر

۴۷- احوالِ عشق

پوچھو تو میر سے کیا کوئی نظر پڑا ہی
چہرہ اُتر رہا ہی کچھ آج اس جواں کا

عاشق ہی یا مریض ہی پوچھو تو میر سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

کس طرح سے مانیے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اُڑا جاتا ہی ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہی اے میر حال تیرا

تفحص فائدہ ناصح تدارک تجھسے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد - دل جس کا لگا ہوگا

بس طبیب اُٹھ جا مری بالیں سے مت دے دردِ سر
کام یاں آخر ہوا - اب فائدہ تدبیر کا

میر

۴۸- جوشِ عشق

یعنی میر اک خستۂ غم تھا
سرتاپا اندوہ و الم تھا

جلد ۲

آنکھ لڑی اس کی اک جا گہ　　بے خود ہو گئی جانِ آگہ
صبر نے چاہی دل سے رخصت　　تاب نے ڈھونڈی یک دم فرصت
سینہ فگاری سامنے آئی　　بیتابی نے طاقت پائی
خواب و خورش کچھ کام نہ آیا　　ایک گھڑی آرام نہ پایا
آہ سے اس کی مشکل جینا　　درد فقط تھا سارا سینا
دردِ دل سے کچھ نہ کہے وہ　　ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ
دل میں تمنا داغ جگر میں　　شیون لب پر یاس نظر میں
آہ و فغاں ہی اس کے لب پر　　روز نئی اک آفت سب پر
نالے اس کے شب کو سن کر　　مر گئے کتنے سر کو دھن کر
نے طاقت نے یارا اس کو　　ضعفِ دلی نے مارا اس کو
دست بدل ہر آن رہے وہ　　بے طاقت بے جان رہے وہ
رنگ شکستہ بسکہ فسردہ　　کہنے کو زندہ لیکن مردہ
جن نے دیکھا اس کو یک دم　　اُن نے کہا یہ بھول کے سب غم

چندے یہ ناشاد رہے گا
یہ مدت تک یاد رہے گا

میر

جلد ا

۴۹۔ ماہیت دل

جا کے پوچھا جو میں یہ کارگہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ

کہنے لاگے کہ کدھر پھرتا ہے بہکا اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یاں ہے شیشہ

دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کرکے گداز
شکل شیشہ کی بنائی ہے کہاں ہے شیشہ

میر

۵۰۔ وحشت دل

پروازِ گلستاں کے تو شائستہ نہ نکلے
پروانہ نمط آگ اب ہم دینگے پروں کو

پیراہنِ صد چاک بلاتے ہیں مرا لوگ
تہ سے نہیں مطلق خبر ان بے خبروں کو

اس باغ کے ہر گل سے چپک جاتی ہیں آنکھیں
مشکل بنی ہے آن کے صاحب نظروں کو

آداب جنوں چاہئے ہم سے کوئی سیکھے
دیکھا ہے بہت یاروں نے آشفتہ سروں کو

اندیشہ کی جاگہ ہے بہت میرؔ جی مرنا
درپیش عجب راہ ہے ہم نو سفروں کو

میر

جلد

۵۱۔ دل

بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا

وہ دل کہ شام و سحر جیسے پکا پھوڑا تھا
وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا

تمام عمر کٹی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں
وہ دردناک علی الرغم بے قرار رہا

ستم میں غم میں سرانجام اس کا کیا کہیئے
ہزاروں حسرتیں تھیں تسپہ جی کو مار رہا

بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ بہ نکلا
رہا جو سینۂ سوزاں میں داغدار رہا

سو اس کو ہم سے فراموش کاریوں لیگئے
کہ اس سے قطرۂ خوں بھی نہ یادگار رہا

گلی میں اس کے گیا سو گیا نہ بولا پھر
میں میرؔ میرؔ کر اس کو بہت پکار رہا

کھنچتا ہی اس طرف ہی کو بے اختیار دل
دیوانہ دل بلا زدہ دل بے قرار دل

آزردہ خاطری کا ہماری نہ کر عجب
اِک عمر ہم رہا کئے ہیں مار مار دل

ہم سے جو عشق کشتہ جئیں تو عجب ہے میرؔ
چھاتی ہی داغ داغ ٹکڑے جگر کے فگار دل

میر

جلد۱

۵۲۔ اضطراب

درون خود بخود بے حواسی رہے
پریشاں دلی اور اُداسی رہے

کروں بیکلی جاؤں تا ہر کہیں
نہ گھر میں لگے جی نہ باہر کہیں

قیامت جنوں کا رہے سر میں شور
کھنچا جائے دل کوہ و صحرا کے اور

بد دماغی بے قراری بیکسی بے طاقتی
کیا جیئے وہ جن کے جی کو روگ یہ اکثر رہیں

مضطرب ہو ایک دم کو تو تدارک بھی ہو کچھ
متصل تڑپے ہی کب تک ہاتھ لے دل پر رہیں

میر

۵۳۔ کوئے یار

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جب ہوش میں تو آیا اُدھر ہی جاتے پایا
اس سے تو میر جنبے اُس کوچہ ہی میں چارہ

آئے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو میر اس کی گلی ہی میں جا رہے

جلدا

جو ہو میر بھی اس گلی میں صبا
بہت پوچھیو تو مری اور سے — میر

۵۴۔ وارفتگی

برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں — روز و شب دونوں تھے مجھے یکساں
بیچ پانی ہو مینہ ہو یا برسات — روزِ روشن ہو یا اندھیری رات
اُن تلک میرے تئیں پہنچ رہنا — بیٹھے مُنہ دیکھنا نہ کچھ کہنا
آشنا یار سارے بیگانے — کہ ہوئے میر جی تو دیوانے
رشتۂ ربط اُنھوں نے توڑ دیا — ملنا جلنا سبھوں سے چھوڑ دیا
نظر آتے نہیں ہیں مدت سے — اُنس پیدا کیا ہے وحشت سے
صبح ہوتے ہی گھر سے چلتے ہیں — جیسے کھوئے گئے نکلتے ہیں
چلے جاتے ہیں دیکھتے ہی راہ — پر کہیں کی کہیں پڑے ہے نگاہ
مل گیا جو کوئی تو بیچ نکلے — سڑی، خبطی، دوانے ہیچ نکلے
رنگ ہر دم مزاج کا کچھ اور — کل کا کچھ اور آج کا کچھ اور
کیا بیاں کریئے بے قراری کا — ذکر کیا حالِ اضطراری کا

پاس ان کے رہوں تو دل کو قرار
پھر نہ ٹھیرے ٹک ایک کرئے ہزار

جلد ۱

یوں تو مُردے سے پڑے رہتے ہیں ہم
پر وہ آتا ہی تو آ جاتا ہے جی
اُٹھ چلے پر اس کے غش کرتے ہیں ہم
یعنی ساتھ اس کے چلا جاتا ہے جی
آ نہیں پاتا وہ مرتے وقت بھی
حیف ہی اس میں رہا جاتا ہی جی

میر

۵۵۔ دل کی بیکلی

بیکلی بیخودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں
دردِ اگر یہ ہی تو مجھے بس ہی
اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں

اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم
بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں
اُمڈی آتی ہیں آج یوں آنکھیں
جیسے دریا کہیں اُبلتے ہیں

جلد

تیرے بیخود جو ہیں سو کیا چیتیں ایسے ڈوبے کہیں اُچھلتے ہیں

دم آخر ہی بیٹھ جا مت جا

صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں

متصل روتے ہی رہیے تو بجھے آتشِ دل ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں

وقت خوش ان کا جو ہم بزم ہیں تیرے ہم تو در و دیوار کو احوال سُنا جاتے ہیں

ایک بیمار جدائی ہوں میں آپ ہی تس پر پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں

میر صاحب بھی ترے کوچہ میں شب آتے ہیں

جیسے دریوزہ گری کرنے گدا جاتے ہیں

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا

روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہو گئے مجبور

اس میں کیا اختیار ہے اپنا

میر

جلد

۵۶۔ بیقراری

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے
درد بے اختیار اُٹھتا ہے

اب تلک بھی مزارِ مجنوں سے
ناتواں اک غبار اُٹھتا ہے

ہے بگولہ غبار کس کا میرؔ
کہ جو ہو بیقرار اُٹھتا ہے

آج کل بے قرار ہیں ہم بھی
بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی

آن میں کچھ ہیں، آن میں کچھ ہیں
تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی

منعِ گریہ نہ کر تو اے ناصح
اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

نالے کریو سمجھ کے اے بلبل
باغ میں اک کنار ہیں ہم بھی

میرؔ نام اک جواں سُنا ہوگا
اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی

اچھی لگے ہے تجھ بن گلگشتِ باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو

گلچینِ عیش ہوتے ہم بھی چمن میں جا کر
آہ و فغاں سے اپنے لیکن فراغ کس کو

آرام ہو چکا مرے جسمِ نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دلِ بیقرار کو

اے وہ کوئی جو آج پیے ہے شرابِ عیش
خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنجِ خمار کو

گر ساتھ لے گیا تو دلِ مضطرب کو میرؔ
آرام آچکا ترے مشتِ غبار کو

جیتے جی فکر خوب ہے ورنہ یہ بد بلا
رکھے گا حشر تک تہ و بالا مزار کو

میر

۵۷۔ غمِ عشق

گر کسی ڈھب سے کوئی مجھکو ہنسا دیتا ہے
غمِ فرقت وہیں کچھ یاد دلا دیتا ہے

لذتِ دردِ غمِ عشق ہے ایسا کہ اگر
روئے اس میں تو رونا بھی مزا دیتا ہے

رات ٹک نیند سی آتی ہے تو پھر اس کا خیال
آنکھ لگنے نہیں پاتی کہ جگا دیتا ہے

مرضِ عشق سے یہ حال ہے میرا کہ طبیب
اب تشفی کے لیے مجھکو دوا دیتا ہے

جرأت

جلد ۱

۵۸۔ دردِ عشق

کرو توکل کہ عاشقی میں نہ یوں کروگے تو کیا کروگے
الم جو یہ ہے تو دردمندو کہاں تلک تم دوا کروگے
بلا ہے ایسا تپیدنِ دل کہ صبر اس پر ہے سخت مشکل
دماغ اتنا کہاں رہے گا کہ دست بردل رہا کروگے
عدم میں ہم کو یہ غم رہے گا کہ اور دل پر ستم رہے گا
تمھیں تو لت ہے ستانے ہی کی کسو پہ آخر جفا کروگے

میر

۵۹۔ الفراق

لگی کہنے کہ مصلحت ہے یہ
کتنے روزوں جدا تو مجھ سے رہ
میں اُٹھایا نہیں ہے تجھ سے ہاتھ
گرچہ مت تو ہے میری جان کے ساتھ
میں کہوں کیا مجھے نہ اپنا ہوش
جیسے تصویر سامنے خاموش
آنسو آنکھوں میں۔ پر پئے جاؤں
جی کہیں کچھ تو ہاں سے کہے جاؤں

جلد ا

ان سے رخصت ہوئے جو بعدِ شام — تیرہ دیکھا جہان کو ہر گام
دل ٹھہرتا نہ تھا - ملالت تھی — جان کو رفتگی کی حالت تھی
یوں ہوا ان کے کوچے سے آنا — جیسے ہوئے جہان سے جانا
اب جو گھر میں ہوں تو فسردہ سا — چارپائی پہ ہوں تو مردہ سا
جی میں کچھ آیا رو کے بیٹھ رہا — دل زدہ چپکا ہو کے بیٹھ رہا
کوئی آیا جو واں سے جی آیا — سو نہ آیا کبھی کبھی آیا
دیکھئے چند یوں رہیں گے جدا — چاہیے ہو کیا ہمارے حق میں خدا

خونِ دل کب تلک پئیں گے ہم
رنگ یہ ہے تو کیا جئیں گے ہم

میر

۶۰- انجامِ فراق

اس کے گئے پہ ایسی گئی دل سے ہمنشیں — معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہیں جاتا — پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا
تا مقدور انتظار کیا — دل نے اب زور بے قرار کیا

اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار   یادِ ایام جب تحمل تھا

دور تجھ سے میر نے ایسا تعب کھینچا کہ شوخ   کل جو میں دیکھا اسے مطلق نہ پہچانا گیا

ٹک میرِ جگر سوختہ کی جلد خبر لے   کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوئے شوق   میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا

لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذبِ عشق   جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا

جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

میر

۶۱ - دردِ فراق

گزرے ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے   آنکھیں لگا کے ان سے میں ترسوں ہوں خواب کو

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب   سمجھاؤں کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

بے طاقتی میں شب کی پوچھو نہ ضبط میرا

ہاتھوں میں دل کو رکھا دانتوں تلے جگر کو

میر

جلد ۱

۶۲- محبت

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں · بہت اُن نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم · ہوا ہے کُے تو کہ سایہ ہمیں
جوانی دوانی سُنا کیا نہیں · حسینوں کا ملنا ہی بھایا ہمیں
بٹھا اس کی خاطر میں نقشِ وفا
نہیں تو اُٹھا لے خدایا ہمیں

میر

۶۳- عزم بالجزم

کوئی ناکام یوں رہے کب تک · میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں دادِ دل یا اب
کام اپنا تمام کرتا ہوں

ماہر

۶۴۔ محبت

لگا آگ پانی کو دوڑے ہے تو
یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد

کہے کو ہمارے کب اس نے سنا
کوئی بات مانی سو منت کے بعد

جدائی کے حالات میں کیا کہوں
قیامت تھی ایک ایک ساعت کے بعد

نظر میرؔ نے کیسی حسرت سے کی
بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد

میر

۶۵۔ انجامِ محبت

چھٹتا ہی نہیں ۔ ہو جسے آزارِ محبت
مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمارِ محبت

امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
مر جائے تبھی چھوٹے گرفتارِ محبت

تقصیر نہ خوباں کی نہ جلاد کا کچھ جرم
تھا دشمنِ جانی مرا اقرارِ محبت

ہر جنس کے خواہاں ملے بازارِ جہاں میں
لیکن نہ ملا کوئی خریدارِ محبت

مجھ سا ہی ہو مجنوں بھی یہ کب جانے ہے عاقل
ہر سر نہیں اے میرؔ سزاوارِ محبت

کب تلک جی رُکے خفا ہووے
آہ کریئے کہ ٹک ہوا ہووے

جی ٹھہر جائے یا ہوا ہووے
دیکھئے ہوتے ہوتے کیا ہووے

کاہشِ دل کی کیجئے تدبیر
جان میں کچھ بھی جو رہا ہووے

چپ کا باعث ہے بے تمنائی
کہیئے کچھ بھی تو مدعا ہووے

عشق کیا ہے درست اے ناصح
جانے وہ جس کا دل لگا ہووے

مر گئے ہم تو مر گئے تو جی
دل گرفتہ تری بلا ہووے

نہ سُنا ہم نے رات اک نالہ
غالباً میرؔ مر رہا ہووے

بد نہ لے جائیو پوچھوں ہوں تجھی سے یہ طبیب
نہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

میرؔ

۶۶۔ عشق

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں
اس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں

گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں　　مجھ بلانوش کو شراب کہاں

عشق کا گھر ہے میرؔ سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں　　خوب و کس کی بات مانے ہیں

پوچھ اہلِ طرب سے شوق اپنا
وے ہی جانیں جو خاک چھانے ہیں

میرؔ

۶۷ - مردِ عاشق

جوشِ غم ہوتے بھی ہیں یوں ابر تر روتے بھی ہیں　　چشمِ جہاں آشوب سے دریا بہایا ایک میں
تھا سبھی کو دعویٰ عشق کا لیکن نہ ٹھیرا کوئی بھی　　دانستہ اپنی جان سے دل کو اٹھایا ایک میں

میرؔ

۶۸ - میدانِ عشق

خطرناک تھی وادیٔ عشق میرؔ　　گئے اس پہ بھی ہم قدم بر قدم

ملا کہیں تو دکھادیں گے عشق کا جنگل　　بہت ہی خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا

وہ دشتِ خوفناک رہا ہے مرا وطن سُن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا

جلد ا

ہو گا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میرؔ کیا کام محبت سے اس آرام طلب کو

جس دم کہ تیغِ عشق کھنچی بوالہوس کہاں سُن لیجئے کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا

میر

۶۹۔ گل و بلبل

میرؔ اب بہار آئی صحرا میں چل جنوں کر کوئی بھی فصلِ گل میں ناداں گھر رہے ہے

چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ کہ ہر غنچہ دلِ پُر آرزو تھا

پھاڑا ہزار جا سے گریبانِ صبر میرؔ کیا کہہ گئی نسیمِ سحر گل کے کان میں

مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا

کہ پیراہن میں سو جا گہ رفو تھا

کرتی پھرے ہے رسوا سارے جہاں میں مجھکو گر کوئی بات دل کی بلبل سے میں کہی ہے

اللہ رے عندلیب کی آوازِ دل خراش جی ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گل

ہوش اُڑ گئے سبھوں کے شورِ سحر سے اس کے

مرغِ چمن اگرچہ یک مشتِ بال و پر تھا

دل ہی مرغِ چمن کا ٹوٹ گیا
پھول گلچیں نے ہائے کیوں توڑا

کل میں جو سیر میں تھا کیا پھول پھول بیٹھی
بلبل نے لی ہی گویا گلزار سب اجاڑے

جلد۱

بلبل بھی گل گئی پر مر کر چمن سے نکلی
اس مرغِ شوق کش کی ٹک تم وفا تو دیکھو

کر سیر جذبِ الفت گلچیں نے کل چمن میں
توڑا تھا شاخِ گل کو نکلی صدائے بلبل

آئی بہار و گلشن گل سے بھرا ہے لیکن
ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل

انجامِ کارِ بلبل دیکھا ہم اپنی آنکھوں
آوارہ تھے چمن میں دو چار ٹوٹے پر سے

برسوں ہوئے دل سوختہ بلبل کو موئے لیک
اک دود سا اٹھتا ہے چمن زار سے اب تک

میر

۷۰۔ صیّاد

قفس تو یاں سے گئے پر مدام ہے صیّاد
چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیّاد

چمن میں میں نہیں ایسا پھنسا کہ یوں چھوٹوں
مجھے تو ہر رگِ گل تارِ دام ہے صیّاد

یہی گلوں کو تنک دیکھوں اتنی مہلت ہو
چمن میں ادر تو کیا مجھکو کام ہے صیّاد

بہت ہیں ہاتھ ہی تیرے نہ کر قفس کی فکر
مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد

حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس

نسیم آئی میرے قفس میں عبث
گلستاں سے دو پھول لائی نہیں

میر

۱۷- موسیقی

کہیں نوبت کو چل کے سنیے گا
نے کے بجنے پہ سر کو دُھنیے گا

نوبتی خوش سلیقہ سارے ہیں
نے نوازوں نے جان مارے ہیں

آج نوبت کے بجنے پر ہی رنگ
عقل ہوتی ہی سُن کے ہو دے دنگ

جھانجھ کے سننے کی رہی ہی جھانجھ
صبح جوں توں کے ہم کریں ہیں سانجھ

میر

جلد۱

۲۷- شیخ جی سے چھیڑ چھاڑ

شیخ جی آؤ مصلّٰے گروِ جام کرو
جنسِ تقویٰ کے تئیں صرفِ مے و جام کرو

فرشِ مستاں کرو سجادۂ بے تہ کے تئیں
مے کی تعظیم کرو شیشہ کا اکرام کرو

دامنِ پاک کو آلودہ رکھو بادہ سے
آپ کو مغبچوں کے قابلِ دشنام کرو

نیک نامی و تفاوت کو دعا جلد کہو
دین و دل پیشِ کشِ سادۂ خودکام کرو

خوب اگر جرعۂ مے نوش نہیں کر سکتے
خاطرِ جمع مے آشام سے یہ کام کرو

اُٹھ کھڑے ہو جو جھکے گردنِ مینائے شراب
خدمتِ بادہ گساراں ہی سرانجام کرو

مطرب آ کر جو کرے چنگ نوازی تو تم
پیرہن مستوں کی تقلید سے انعام کرو

خشکی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں
پاس جوششِ گل و دل گرمیٔ ایام کرو

آہ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں
ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں گوئی
میرؔ جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

میر

جلد ا

۷۳ - یادِ ایام

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا | اپنی زنجیرِ پائی کا غل تھا
بسترا تھا چمن میں جوں بلبل | نالہ سرمایۂ توکّل تھا
اک نگہ کو وفا نہ کی گویا | موسمِ گل سفیرِ بلبل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار | یادِ ایام جب تحمل تھا

خوب دریافت جو گیا ہم نے
وقتِ خوش میرؔ نکہتِ گل تھا

میر

۷۴ - سرگزشت

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا | جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا
دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا | جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
قامت خمیدہ رنگ شکستہ بدن نزار | تیرا تو میرؔ غم میں عجب حال ہو گیا
شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے | دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں
میرؔ بھی شام اپنی سحر کر گیا
خوب دریافت جو کیا ہم نے
وقتِ خوش میرؔ نکہتِ گل تھا

میرؔ

۷۵۔ انقلاب

کل چمن میں گل و سمن دیکھا
آج دیکھا تو باغ بن دیکھا
میرؔ جنگل پڑے ہیں آج جہاں
لوگ کیا کیا نہیں تھے کل بستے
وہ کسریٰ کہ ہے شور جس کا جہاں میں
پڑے ہیں گے اس کے محل آج سونے
تھا ملک جن کے زیرِ نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
آتا نہ تھا فرو سر جن کا کل آسماں سے
ہیں ٹھوکروں میں ان کے آج استخواں زمیں پر
یاں خاک سے انھوں کی لوگوں نے گھر بنائے
آثار ہیں جنھوں کے اب تک عیاں زمیں پر
ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دنیا میں
ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہو گا

میرؔ

جلد ا

۷۶- کاسۂ سر

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا　　یکسر وہ استخوانِ شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بےخبر　　میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا

میر

۷۷- درد

دامانِ کوہ میں جو میں ڈاڑھ مار رویا　　اِک ابرواں سے اُٹھ کر بے اختیار رویا
ہر گل زمیں یہاں کی رونے ہی کی جگہ تھی　　مانندِ ابر ہر جا میں زار زار رویا

یہ عیش گہہ نہیں ہے یاں رنگ اور کچھ ہے　　ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا

ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاید
کہ روزگار کے سر خون ہے ہزاروں کا

میر

۷۸- عبرت

اے حبِ جاہ والو جو آج تاجور ہے　　کل اُس کو دیکھنا تم - نے تاج ہے نہ سر ہے

اے ہمصفیرِ بے گل کس کو دماغِ نالہ | مدت ہوئی ہماری منقار زیرِ پر ہی
شمعِ اخیرِ شب ہوں سن سرگزشت میری | پھر صبح ہوتے تک تو قصہ ہی مختصر ہی

اب رحم پر اسی کے موقوف ہی ہیاں تو
نے اشک میں سرایت نے آہ میں اثر ہی

جلد ا

میر

۷۹ - ہم چلے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے | میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم | سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہیں | کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے | ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ | سو تم ہم سے مُنہ ہی چھپا کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا | ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں | چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہی | ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

میرؔ

۸۰۔ عبرت

اپنی ہستی حباب کی سی ہے — یہ نمایش سراب کی سی ہے
چشمِ دل کھول اس ہی عالم پر — یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

سرسری مت جہاں سے جا غافل — پاؤں تیرا جہاں پڑے ٹک سوچ
پھیل اتنا پڑا ہی کیوں یاں تو — یار لگے گئے کہاں ٹک سوچ

جمشید جن نے وضع کیا جام کیا ہوا — وے صحبتیں کہاں گئیں کیدھر وے ناؤ نوش
جز لالہ اس کے جام سے پاتے نہیں نشاں — ہے کوکنار اس کی جگہ اب سبو بدوش

جھومے ہے بید جائے جوانانِ میگسار
بالائے خُم ہے خشت سرِ پیرِ مَے فروش

ہر کوئی اس مقام پر دس روز — اپنی نوبت بجائے جاتا ہے
جائے عبرت ہے خاکدانِ جہاں — تو کہاں منھ اٹھائے جاتا ہے

جلد ۱

دیکھ سیلاب اس بیاباں کا
کیسا سر کو جھکائے جاتا ہے

میر

۱۸۔ طرح

نقشہ آلٰہی دل کا مرے کون لے گیا
کہتے ہیں سارے عرش میں ہے اس مکاں کی طرح

جوں سبزہ چل چمن میں لبِ جو پہ سیر کر
عمرِ عزیز جاتی ہے آبِ رواں کی طرح

کرتے تو ہو ستم یہ نہیں رہنے کے حواس
کچھ اور ہو گئی جو کسو خستہ جاں کی طرح

دل کو جو خوب دیکھا تو ہُو کا مکان ہے
ہے اس مکاں میں ساری وہی لامکاں کی طرح

کس طرح جی سے گزر جاتے ہیں آنکھیں موند کر
دیدنی ہے دردمندوں کی بھی مرجانے کی طرح

یوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئی مجھسے کہ ہائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

جان کا صرفہ نہیں ہے کچھ تجھے کڑھنے میں میرؔ
غم کوئی کھاتا ہے میری جان غم کھانے کی طرح

میر

جلد۱

۸۲- دورنگی

فکرِ تعمیرِ دل کسو کو نہیں
ایسی ویسی بنائیں کیا کیا ہیں
گہہ نسیمِ صبا ہے گاہ سموم
اس چمن میں ہوائیں کیا کیا ہیں
شور ہے ترکِ شیخ کا لیکن
چپکے چپکے دعائیں کیا کیا ہیں

میر

۸۳- حقیقتِ عالم

دلکشی اس بزم کی ظاہر ہے تم دیکھو تو ہو
لوگ جی دیتے چلے جاتے ہیں کس حسرت سے یاں
صورتوں سے خاکداں یہ عالمِ تصویر ہے
بولیں کیا اہلِ نظر خاموش ہیں حیرت سے یاں
کیا سرِ جنگ و جدل ہو بے دماغِ عشق کو
صلح کی ہے میر نے ہفتاد و ملت سے یاں

میر

۸۴۔ گلزارِ میر

جلد ۱

(متفرق منتخب اشعار)

مُنھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مت کر
سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا

شہرِ دل اک مدت اُجڑا بسا غموں میں
آخر اُجاڑ دینا اس کا قرار پایا

تمھیں تو زہد و ورع پر بہت ہے اپنے غرور
خدا ہے شیخ جی ہم بھی گناہ گاروں کا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

دلِ مضطرب سے گزر گئی شبِ وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

کبھو جائیگی جو اُدھر صبا تو یہ کہیو اس سے کہ بیوفا
مگر ایک میر شکستہ پا ترے باغِ تازہ میں خار تھا

کیا خانداں کا اپنے تجھسے کہیں تقدس
روح القدس اک ادنیٰ دربان ہے ہمارا

غلط ہے عشق میں اے بوالہوس اندیشہ راحت کا
رواج اس ملک میں ہے درد و داغ و رنج و کلفت کا

اب بھی دماغِ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا

جاتی ہے گزر جی پر اس وقت قیامت سی یاد آوے ہے جب تیرا یکبارگی آ جانا

کب میرؔ بسر آئے تم ایسے فریبی سے

دل کو تو لگا بیٹھے لیکن نہ لگا جانا

دیکھ آرسی کو یار ہوا محو ناز کا خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا

اس لطف سے نہ غنچۂ نرگس کھلا کبھو کھلنا تو دیکھ اس مژۂ نیم باز کا

سر اٹھاتے ہی ہو گئے پامال سبزۂ نو دمیدہ کے مانند

اسیر کر کے نہ لی تو نے تو خبر صیاد اڑا گئے مرے پرکالۂ جگر صیاد

چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی کہ ہیں کدھر ہوں کدھر ہے قفس کدھر صیاد

نہ دردمندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالہ و فریاد

جو وجہ کوئی ہو تو کہنے میں بھی کچھ آوے باتیں کرو ہو بگڑی منھ کو بنا بنا کر

وہ بے وفا نہ آیا بالیں پہ وقتِ رفتن سو بار ہم نے دیکھا سر کو اٹھا اٹھا کر

ہیں منع میرؔ تجھکو کرتا نہ تھا ہمیشہ

کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر

قدم دشتِ محبت میں نہ رکھ میرؔ کہ سر جاتا ہے گامِ اوّلیں پر

جاتا ہے آسماں لئے کوچے سے یار کے
آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

وہ سر چڑھا ہے اتنا ہی فروتنی سے
کھویا ہمیں نے اس کو ہر لحظہ پاؤں پڑ کر
جلد ا

اپنے مزاج میں بھی ہے میر ضد نہایت
پھر مر ہی کے اٹھیں گے بیٹھیں گے ہم جو اڑ کر

اوّل کار محبت تو بہت سہل ہے میر
جی سے جاتا ہے وے صبر و قرار آخر کار

تو بھی رباطِ کہن سے صوفی سیر کو چل ٹک سبزہ کی
ابر سیہ قبلہ سے آکر جھوم پڑا مے خانوں پر

سنا تھا اسے پاس لیکن نہ پایا
چلے دور تک ہم گئے اس خبر پر

بڑی دولت ہے درویشی جو ہو بہرہ قناعت سے
کہ عرصہ تنگ ہے حرص و ہوا سے تاجداروں پر

اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خوبی
ہوتا ہے شوق غالب اس کی نہیں نہیں پر

دست بر دل ہوں مدتوں سے میر
دل ہے ویسا ہی بے قرار ہنوز

دردمندوں سے تمھیں دور پھرا کرتے ہو کچھ
پوچھنے ورنہ سبھی آتے ہیں بیمار کے پاس

جان آخر تو جانے والی تھی
اس پہ کی ہوتی ہیں نثار اے کاش

شاعری شیوہ ہے شعار اخلاص
دین و مذہب مرا ہے پیار اخلاص

عشق کی رہ نہ چل خبر ہے شرط
اوّلِ گام ترکِ سر ہے شرط

جلد ۱

دل کا دینا ہی سہل گیا اے میرؔ
عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

اے تجھ بغیر لالہ و باغ و بہار حیف
گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو ہزار حیف

اسے ڈھونڈتے میرؔ کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

ہونا جہاں کا اپنی آنکھوں میں ہے نہ ہونا
آتا نظر نہیں کچھ جاوے نظر جہاں تک

محبت میں جی سے گئے میرؔ آخر
خبر گفتنی ہے یہ ہر بے خبر تک

آہ کرنے میں دم کو سادھے رہ
کہتے ہیں دل سے ہے جگر نزدیک

مر بھی رہ میرؔ شب بہت رویا
ہے مری جان اب سحر نزدیک

گلی تک تیری لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ
سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک

غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ

کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ

کیا چلے جاتے ہیں جہان سے لوگ
مگر آئے تھے میہمان سے لوگ

درد دل ان نے کب سنا میرا
لگے رہتے ہیں اس کے کان سے لوگ

جلد ا

اب کے ہزار رنگ گلستاں میں آئے گل
پر اس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گل

سبھوں سے میر بیگانے سے رہتے
جو ہوتا کچھ بھی اس سے آشنا دل

جیتے ہیں تو دکھاویں گے دعوائے عندلیب
گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

اگر راہ میں اس کے رکھا ہے گام
گئے گزرے خضر علیہ السلام

کرتے ہیں گفتگو سحر اُٹھ کر ہوا سے ہم
لڑنے لگے ہیں ہجر میں اس کی ہوا سے ہم

اُڑتی ہے خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں
سونا لیا ہے گود میں بھر کر وہیں سے ہم

یاں آپ ہی آپ آکر گم آپ میں ہوئے ہو
پیدا نہیں کہ کس کی کرتے ہو جستجو تم

تربت سے عاشقوں کے نہ اُٹھا کبھو غبار
جی سے گئے و لے نہ گئیں رازداریاں

نئی گردش ہے اس کی ہر زماں میں
خلل سا ہے دماغ آسماں میں

بہت ناآشنا تھے لوگ یاں کے
چلے ہم چار دن رہ کر جہاں میں

ہے پھرتے دریا میں گرداب سے
وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں

خاکِ آدم ہی ہے تمام زمیں
پاؤں کو ہم سنبھال رکھتے ہیں

یہ جو سر کھینچے تو قیامت ہے
دل کو ہم پائمال رکھتے ہیں

آئینہ ہو کے صورت معنی سے ہے لبالب
رازِ نہانِ حق میں کیا خود نمائیاں ہیں

جلد ۱

لایا ہی مرا شوق مجھے پردہ سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتیٔ رازِ نہاں ہوں

ہوں زرد غمِ تازہ نہالانِ چمن سے
اس باغِ خزاں دیدہ میں میں برگِ خزاں ہوں

دیدہ و دل شتاب گم ہوں میر
سر پہ آفت ہمیشہ لاتے ہیں

جب دردِ دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں
کہتا ہی بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں

بوئے گل اور رنگِ گل دونوں ہیں دل کش اے نسیم
لیک بقدرِ یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

ایک فقط ہی سادگی تسپہ بلائے جاں ہی تو
عشوہ کرشمہ کچھ نہیں آن نہیں ادا نہیں

نازِ بتاں اٹھا چکا دیر کو میر ترک کر
کعبہ میں جا کے بیٹھ میاں تیرے مگر خدا نہیں

شیخ غزلت تو تہِ خاک بھی پہنچے گی بہم
مفت ہی سیر کہ پھر عالمِ ایجاد نہیں

موئے سہتے سہتے جفاکاریاں
کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں
تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں

مدعی مجھکو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

گرچہ عالم جلوہ گاہ یار تھا لیوں بھی ولے
آنکھیں جو موندیں عجب عالم نظر آیا ہمیں

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

جلد۱

جائے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں

دیکھ اسے ہو ملک سے بھی لغزش
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں

حسن کیا چیز ہے جی اس پہ لگا بیٹھے ہیں
غزلی شہر کے بازار میں آ بیٹھے ہیں

قافلہ قافلہ جاتے ہیں چلے کیا کیا لوگ
میرؔ غفلت زدہ حیران سے کیا بیٹھے ہیں

کیسی وفا و الفت کھاتے عبث ہو قسمیں
مدت ہوئی اٹھا دیں تم نے یہ ساری رسمیں

بگولے کی روش وحشت زدہ ہم
ہے برچیدہ دامن اس سفر میں

جیسے بجلی کے چمکنے سے کسو کی سدھ جائے
بیخودی آئی اچانک ترے آ جانے میں

حق جو چاہے تو بندھی مٹھی چلا جاؤں میرؔ
مصلحت دیکھی نہیں ہاتھ کے پھیلانے میں

ہمیں بے نیازی نے بٹھلا دیا
کہاں اتنی طاقت کہ منت اٹھائیں

کل جا کے ہم نے میرؔ کے ہاں یہ سنا جواب
مدت ہوئی کہ یاں تو وہ غربت وطن نہیں

تلاش میرؔ کی امیکدوں میں کاش کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

اس شہ حسن کا اقبال کہ ظالم کے تئیں
ہر طرف سینکڑوں درویش دعا دیتے ہیں

وہ نہیں اب کہ فریبوں سے لگا لیتے ہیں
ہم جو دیکھیں ہیں تو وے آنکھ چھپا لیتے ہیں

کچھ تفاوت نہیں ہستی و عدم میں ہم بھی
اٹھ کے اب قافلۂ رفتہ کو جا لیتے ہیں

صحبت آخر کو بگڑتی ہے دراندازی میں — گیا دراندازہ بھی اک بات بنا لیتے ہیں

کہیں دل کی مرغانِ گلشن سے کیا — یہ بے حوصلہ ہم کو رسوا کریں

بُرے حال اس کی گلی میں ہیں میر — جو اُٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں — وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

نہ تنگ کر اسے اے فکرِ روزگار کہ میں — دل اس صنم کے لئے مستعار لایا ہوں

جہاں اب خارزاریں ہو گئی ہیں — یہیں آگے بہاریں ہو گئی ہیں

ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں — دلی سے بھی دیار ہوتے ہیں

اک بیاباں ہے مری بیکسی و بے تابی — مثلِ آوازِ جرس سب سے جدا جاتا ہوں

دل کو جانا تھا گیا۔ رہ گیا ہے افسانہ — روز و شب ہم بھی کہانی ہی کہا کرتے ہیں

یاری جہانیوں کی کیا میر معتبر ہے — ناآشنا ہیں اک دم یہ اک دم آشنا ہیں

بیہوشی سی آتی ہے تجھے اس کی گلی میں — گر ہو سکے اے میر تو اس راہ نہ جاتو

از خویش رفتہ ہر دم رہتے ہیں ہم جو اس بن — کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو

بکا جب تک نہیں کرتا ہوں تب تک خیر ہے ورنہ

بلا ہوں فتنہ ہوں آشوب ہوں آفت ہوں طوفاں ہوں

خرابے خوار ہیں سلطاں شکستہ حال اے میر — کسو فقیر سے شاید کہ صحبت ان کو نہیں

جلد۱

کہاں کے لوگ ہیں خوباں محبت ان کو نہیں — مریں بھی ہم تو نہ دیکھیں مروت ان کو نہیں

کنارہ یوں کیا جاتا نہیں پھر — اگر پائے محبت درمیاں ہو

نہ تو طالع نہ جذبۂ پُر دل کو — کس بھروسے پہ ٹک تحمل ہو

لگ نہ چل اے نسیمِ باغ کہ میں — رہ گیا ہوں چراغ سا گل ہو

دیر رہنے کی جا نہیں یہ چمن — بوئے گل ہو صفیرِ بلبل ہو

مت تربتِ میرؔ کو مٹاؤ — رہنے دو غریب کا نشاں تو

جنت کی منت ان کے دماغوں سے کب اٹھے — خاک رہ اس کی جن کے کفن کا عبیر ہو

حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں — ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو

کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے — اے عشق بے محابا دنیا ہو اور تو ہو

اب کے کہو گے کچھ تو ہم چپکے ہو رہیں گے — ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لوں گا میں ہی — تم دستِ لطف اپنا سر سے مرے اٹھالو

دو نعروں ہی میں شب کے ہوگا مکان ہو کا — سن رکھو کان رکھ کر یہ بات بستی والو

یوں رفتہ اور رنجیدہ کب تک رہا کرو گے — تم اب بھی میرؔ صاحب اپنے تئیں سنبھالو

گر بہشت آوے تو آنکھوں میں مری پھیکی لگے

جن نے دیکھا ہو تجھے ۔ محوِ تماشا کیا ہو

جلد ا

شوق جاتا ہے ہمیں یار کے کوچے کو لئے
جائے معلوم ہو۔ کیا جانئے اس جا کیا ہو

ایسا کہاں ہے ہم سے جیسا کہ آگے تھا تو
اوروں سے مل کے پیارے کچھ اور ہو گیا تو

عالم ہے شوق کشتہ خلقت ہے تیری رفتہ
جانوں کی آرزو تو۔ آنکھوں کا مدعا تو

خوبی یہی نہیں ہے کہ انداز و ناز ہو
معشوق کا ہے حسن اگر دل نواز ہو

افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں
سو جائیو نہ پیارے اس داستاں تلک تو

کب میر ابر ویسا برسا دے کر اندھیری
جیسا کہ روتے ہم نے دیکھا ہے چشمِ تر کو

بے نقابی اس کی ہے ہم پر ستم
لائیے مُنہ پر تو وہ محجوب ہو

نزدیک سوزِ سینہ کے رکھ اپنے قلب کو
وہ دل ہی کیمیا ہے جو گرم گداز ہو

کہہ سانجھ کے موئے کو اے میر روئیں کب تک
جیسے چراغِ مفلس اک دم میں جل بجھا تو

قطرہ قطرہ اشکباری تا کجا پیشِ سحاب
ایک دن تو ٹوٹ پڑ اے دیدۂ تر ہو سو ہو

ہوتے ہو بے دماغ تو دیکھو ہو ٹک ادھر
غصہ ہی ہم پہ کاش کے اکثر رہا کرو

ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق میر لیک
اس دردِ لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

ظالم ہو میری جان پہ ناآشنا نہ ہو
بے رحمی اتنی عیب نہیں بے وفا نہ ہو

آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ہو

جی میں تو ہے کہ دیکھئے آوارہ میر کو
لیکن خدا ہی جانے وہ گھر میں ہو یا نہ ہو

خالی نہیں بغل کوئی دیوان سے مرے
افسانہ عشق کا ہے یہ مشہور کیوں نہ ہو

جو میں نہ ہوں تو کرو ترک ناز کرنے کو
کوئی تو چاہیئے جی بھی نیاز کرنے کو

جو بے دماغی یہی ہے تو بن چکی اپنی
دماغ چاہیئے ہر اک سے ساز کرنے کو

ہنوز طفل ہے وہ ظلم پیشہ کیا جانے
لگاوے تیغ سلیقہ سے جو لگائی ہو

اے چرخ مت حریف اندوہ بیکساں ہو
کیا جانے منہ سے نکلے نالے کے کیا سماں ہو

کب تک گرہ رہے گا سینہ میں دل کے مانند
اے اشک شوق اک دم رخسار پر رواں ہو

گر ذوق سیر ہے تو آوارہ اس چمن میں
مانند عندلیب گم کردہ آشیاں ہو

اب کے بہت ہے شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس ٹک ہم بھی نکالیں دھومیں ہمکو مچانے دو

کیا جاتا ہے اس میں ہمارا چپکے ہم تو بیٹھے ہیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا ناصح کو سمجھانے دو

ضعف بہت ہے میر تمھیں کچھ۔ اس کی گلی میں مت جاؤ
صبر کرو ٹک اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو

جلد ۱

لاگ اگر دل کو نہیں لطف نہیں جینے کا
اُلجھی سلجھی کسی کاکل کے گرفتار رہو

صوفی کی پارسائی کی ہے خانقہ میں دھوم
لے چلیئے گا کبھو ادھر اس مستِ ناز کو

دل ایک تڑپنے میں پرے عرش کے پایا
اس طائرِ بے بال کی پرواز تو دیکھو

سب میر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پر اپنے
اس خاکِ رہِ عشق کا اعزاز تو دیکھو

بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

آ۔ عاشقوں کی آنکھوں میں ٹک اے بدل قریب
ان منظروں سے بھی ہی بہت دور تک دکھاؤ

غیرت کا عشق کے ہے طریقہ ہی کچھ جدا
اس کی گلی کی خضر کو بھی راہ مت بتاؤ

ظاہر ہے دیکھنے سے انکھیوں کے تیرے سب
چھپتے ہیں میر کوئی دلوں کے کہیں لگاؤ

بعد از نماز تھے کل میخانہ کے در در پہ
کیا جانیے میر واں سے اٹھ کر گئے کہاں کو

صد رنگ بحث رہتی ہے یاں بے شعور سے
اے عقلمند وائے کہ ناداں ہوا نہ تو

کتنے دنوں کہا تھا دلا ضبطِ نالہ کر
پھر شب کو ناشکیبی سے نالاں ہوا نہ تو

جو نہ ہووے نماز کر لے نیاز
آدمی چاہیئے کرے کچھ تو

طالع و جذبۂ زاری و زر و زور — عشق میں چاہیئے ایسے کچھ تو

میر جی رازِ عشق ہوگا فاش — چشم ہر لحظہ مت پُر آب کرو

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں — اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

قبلہ و کعبہ خداوند بلاذ و مشفق — مضطرب ہو کے اسے میں نے لکھا کیا کیا کچھ

پر کہوں کیا رقمِ شوق کی اپنی تاثیر — ہر سرِ حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ — پر ہو سکے تو پیارے ٹک دل کا آشنا رہ

نہ باتیں کرو سرگرانی کے ساتھ — مری زیست ہے مہربانی کے ساتھ

کہے میں نے اشعار ہر بحر میں — ولیکن قیامت روانی کے ساتھ

جلا جی بہت قصۂ میر سن — بلا سوز تھا اس کہانی کے ساتھ

لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ — چاہ وہ ہے جو ہو نباہ کے ساتھ

وہ لحظہ نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑی تھی جب اس سے

چاہ نکلتی تھی باتوں سے جنون بھی تھی پیار کے ساتھ

آہ ہر غیر سے تا چند کہوں جی کی بات — عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم — جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

آگے ہو مسجد کے نکلی اس کی راہ — شیخ سے اب پارسائی ہو چکی

جلد ۱

آج پھر تھا بے حمیت میر واں   کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

فرصت میں اک نفس کی کیا دردِ دل سنو گے   آئے تو تم و لیکن وقتِ اخیر آئے

دلّی میں اب کے آکر ان یاروں کو نہ دیکھا   کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے

عمرِ دراز کیوں کر مختارِ خضر ہے یاں   اک آدھ دن میں ہم تو جینے سے سیر آئے

تم نے جو اپنے دل سے بھلایا ہمیں تو کیا   اپنے تئیں تو دل سے ہمارے بھلائیے

نہیں وسواس جی گنوانے کے   ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغییر حال پر مت جا   اتفاقات ہیں زمانے کے

نہیں اس گزر گہ سے آتی ادھر اب   نئی راہ کوئی صبا کیا نکالی

لگے در بدر میر چلاتے پھرنے   گدا تو ہوئے پر صدا کیا نکالی

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری   نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

جاں گداز اتنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہے
دل کے سے نالوں کا ان پردوں میں کچھ آہنگ ہے

کوئی ہو محرمِ شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزمِ عیشِ جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

جس جگہ دورِ جام ہوتا ہے   واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے

ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون کیسا خطّ و پیام ہوتا ہے

میر صاحب بھی اس کے یاں تھے پر

جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

لگے چپ تجھ کو تو تو کہیو عندلیب گر بکلی نے کی ہمیں تکلیفِ نالگی

دل دھڑکے ہی جاتے کچھ بت خانہ سے کعبہ کو

اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے

رنگِ گل و بوئے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں کیا قافلہ جاتا ہی جو تو بھی چلا چاہے

لطف پر اس کے ہم نشیں مت جا کبھو ہم پر بھی مہربانی تھی

مرا دل پیر مرشد ہی مجھے ہی اعتقاد اس سے فراموش آپ کو کرنا محبت میں ہی یاد اس سے

یا پہلے وے نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے یا اب کی وے ادائیں جو دل سے آہ نکلے

کتنے روز وں سے نہ سونے کے ہیں نہ کھانے کے

دل جو یہ ہے تو ہم آرام نہیں پانے کے

آہ کیا سہل گزر جاتے ہیں جی سے عاشق

ڈھب کوئی سیکھ لے ان لوگوں سے مر جانے کے

جلد ۱

کاہے کو آنکھ چھپاتے ہو یہی ہے گر حال
ایک دو دن میں نہیں ہم ہی نظر آنے کے

یا بادۂ گلگوں کی خاطر سے ہوس جاوے
یا ابر کوئی آوے اور آکے برس جاوے

سرگزشت اپنی کس اندوہ سے سب کہتا تھا
سو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اس کی

دزدیدہ نگہہ کرنا پھر آنکھ ملانا بھی
اس لوٹتے دامن کو پاس آکے اٹھانا بھی

کیا جانو میر صاحب و قبلہ کے ڈھب کو تم
خوبی مسلّم ان کی وے بدبلا ہیں یے

کیا حال بیاں کیجے عجب طرح پڑی ہے
وہ طبع تو نازک ہے کہانی یہ بڑی ہے

الٰہی کہاں منہ چھپایا ہے تو نے
ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے

جو خواہش نہ ہوتی تو کاہش نہ ہوتی
ہمیں جی سے مارا تری آرزو نے

تری چال ٹیڑھی تری بات روکھی
تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسو نے

لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر
شوق نے بات کیا بڑھائی ہے

بنتی ہے سامنے اس کے گئے سجدہ ہی وَلے
جی سمجھتا ہے جو اس بت میں ادا نکلے ہے

کیا فریبندہ ہے رفتار ہے کینہ کی جدا
اور گفتار سے کچھ پیار جدا نکلے ہے

اب تک تو نہیں اچھی اب دیکھئے بیری ہے
سب لوگوں میں ہیں لاگیں یاں محض فقیری ہے

ہم چمن میں گئے تھے وا نہ ہوئے
نکہتِ گل سے آشنا نہ ہوئے

دل لگے پر رہا نہیں جاتا
رہیئے اپنا جو اختیار رہے

کیوں کر نہ ہو تم میرؔ کے آزار کے درپے
یہ جرم ہے اس کا کہ تمھیں پیار کرے ہے

دشمنوں کے روبرو دشنام ہے
یہ بھی کوئی لطفِ بے ہنگام ہے

بزم میں پوچھا تو یوں انجان ہو
میرؔ ان لوگوں میں کس کا نام ہے

بات احتیاط سے کر ضائع نہ کر نفس کو
بالیدگی دل ہے مانند شیشہ دم سے

پامال کرکے ہم کو پچھتاؤ گے بہت تم
کمیاب ہیں جہاں میں سر دینے والے ہم سے

وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں
مرو یا جیو کوئی اس کی بلا سے

اگر چشم ہے تو وہی عینِ حق ہے
تعصب تجھے ہے عجب ما سوا سے

طبیبِ سبک عقل ہرگز نہ سمجھا
ہوا دردِ عشق آہ دونا دوا سے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میرؔ جی آج کیوں ہو خفا سے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات میرؔ
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

برنگِ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہِ صبا ٹک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے

چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے
گل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہے

جلد ا

سراپا میں اس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو اللہ ہی اللہ ہے

شرطِ سلیقہ ہے ہر اک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

اب جو اک حسرتِ جوانی ہے
عمرِ رفتہ کی یہ نشانی ہے

اس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اسی خانہ خراب کی سی ہے

تھا بلا ہنگامہ آرا میرؔ بھی
اب تلک گلیوں میں اس کا شور ہے

کعبے سو بار وہ گیا تو کیا
جن نے یاں ایک دل میں راہ نہ کی

میرؔ صاحب رُلا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھی لائے تھے

وقتِ خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ دہر میں
خندۂ صبحِ چمن پر مثلِ شبنم روئیے

صحرائے محبت ہے قدم دیکھ کے رکھ میرؔ
یہ سیرِ سرِ کوچہ و بازار نہ ہووے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے

خوش سرانجام تھے وہ جلد جو ہشیار ہوئے
ہم تو اے ہم نفساں دیر خبردار ہوئے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

ڈھونڈا نہ پائیے جو اس وقت میں سو زر ہے
پھر چاہ جس کی مطلق ہے ہی نہیں ہنر ہے

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساری دکانِ شیشہ گر ہے

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم
کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی

مت بیٹھ بہت عشق کے آزردہ دلوں میں
نالہ کسی مظلوم کا تاثیر نہ کر جائے

کر بیٹھے خبر اک نگہ سے ساقی
لیکن کسو کو خبر نہ ہووے

مجھ سا بیتاب ہووے جب کوئی
بے قراری کو جانے تب کوئی

وہ اور کوئی ہوگی سحر جو ہوئی قبول
شرمندۂ اثر تو ہماری دعا نہ تھی

جم گیا خوں کفِ قاتل پہ ترا میرؔ زبس
ان نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

اداسیاں تھیں مری خانقہ میں قابلِ سیر
صنم کدہ میں تو ٹک آکے دل لگا بھی ہے

دیکھا کروں تجھی کو منظور ہے تو یہ ہے
آنکھیں نہ کھولوں تجھ بن مقدور ہے تو یہ ہے

مفت یوں ہاتھ سے نہ کھو ہم کو
کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے

تا دمِ مرگ غم خوشی کا نہیں
دلِ آزردہ گر سلامت ہے

محو اس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے گا شتاب
اس کے بے خود کی بہت دیر خبر آئے گی

از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے میرؔ اکثر
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہے

ہم گرم رو ہیں راہِ فنا کے شرر صفت
ایسے نہ جائیں گے کہ کوئی کھوج پا سکے

حالِ بد گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی

جس سے کھوئی تھی نیند میرؔ نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

جلد ۱

جی ٹھہر جائے یا ہوا ہووے — دیکھئے ہوتے ہوتے کیا ہووے

نہ سُنا ہم نے رات اک نالہ — غالباً میر مر رہا ہووے

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے بھرے — پودے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے — یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے

ہے تو یک قطرۂ خون ہی لیکن — قہر ہے دل جو اضطراب کرے

آمد و رفت ہے دم کے اوپر ہم نے بنائے زیست رکھی

دم سو ہوا ہے آوے نہ آوے کس کو بھروسہ دم کا ہے

ایسی بلائیں سر پر ہیں تو آج موئے کل دوسرا دن

یاری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی

کہنا جو کچھ جب سے ہوگا سامنے میر کہا ہوگا

بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی منہ پر میرے آئی ہوگی

جو ہے سو میر اس کو میرا خدا کہے ہے — کیا خاص نسبت اس سے ہر فرد کو جدا ہے

ہر آن شکیب میں کمی ہے — بیتابی زماں زماں بہت ہے

نالہ جب گرمِ کار ہوتا ہے — دل کلیجے کے پار ہوتا ہے

تو ہی گر انصاف صبا ٹک باغوں باغوں پھرے ہی تو
روئے گل اس کا سا رو ہے سرو کا ایسا قامت ہی

ان بلاؤں سے کب رہائی ہی — عشق ہی فقر ہی جدائی ہی
دیکھئے رفتہ رفتہ کیا ہووے — ہم بھی چلنے کو ہیں کہ آئی ہی

نہ تو جذب رسا نہ بخت رسا
کیوں کہ کہئے کہ واں رسائی ہی

نہیں عشق کا درد لذت سے خالی — جسے عشق ہی وہ مزا جانتا ہی
مرے دل میں رہتا ہی تو ہی تبھی تو — جو کچھ دل کا ہی مدعا جانتا ہی

جس آنکھ سے دیا تھا ان نے فریب دل کو — اس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہی

جب سے جہاں ہی تب سے خرابی یہی ہی میر — تم دیکھ کر زمانہ کو حیران کیا رہے

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

مصائب اور تھے پر دل کا جانا — عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

اس منزل دلکش کو منزل نہ سمجھئے گا — خاطر میں رہے یاں سے درپیش سفر بھی ہی

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو — کیا جانئے جان ہے کہ تن ہی

حرص و ہوس سے باز رہے دل تو خوب ہی — ہی قہر اس گلی کے تئیں گر ہوا لگے

مقصود کے خیال میں بہتوں نے چھانی خاک
عالم تمام وہم ہے یاں ہاتھ کیا لگے

ہمیشہ چشم ہے نمناک ہاتھ دل پر ہے
خدا کسو کو نہ ہم سا بھی دردمند کرے

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے
جان کو کوئی کھائے جاتا ہے

وہ تو بگڑے ہی میر سے ہر دم
اپنی ہی یہ بنائے جاتا ہے

کعبہ میں جاں بلب تھے ہم دوریٔ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کے خدا کے ہاں سے

کس غم میں مجھکو یارب یہ مبتلا کیا ہے
دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے

ہم آپ سے گئے سو الٰہی کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہے

کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجئے
بالفرض میر ایسا ہی تقصیر وار ہے

گرچہ ہستی سے عدم تک اک مسافت تھی بعید
پر اٹھے جو ہم یہاں سے واں تلک اک دم گئے

ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہنچا نہ میر
مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نامحرم گئے

شاید کہ آج رات کو تھے میکدہ میں میر
کھیلے تھا ایک مغبچہ مہر نماز سے

تم چھیڑتے ہو بزم میں مجھکو تو ہنسی سے
پر مجھ پہ جو ہو جائے ہے پوچھو مرے جی سے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کی خطرناک
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبری سے

کوئی تجھ سا ہی کاش تجھکو ملے
مدعا ہم کو انتقام سے ہے

عشق آنکھوں کے نیچے کیا میر چھپے ہے
پیدا ہے محبت تری مژگاں کی تری سے

جلد۱

دل عجب نسخۂ تصوف ہے　　ہم نہ سمجھے بڑا تاسف ہے

چپکے ہیں ہم تو حیرتِ حالاتِ عشق سے
کریئے بیاں جو واقفِ اسرار ہو کوئی

میر

جلد ۱

۸۵۔ مرزا سودا

نے بلبلِ چمن نہ گلِ نو دمیدہ ہوں
میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

گریاں بہ شکلِ شیشہ و خنداں بہ طرزِ جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

کوئی جو پوچھتا ہو یہ کس پر ہے داد خواہ
جیوں گل ہزار جا سے گریباں دریدہ ہوں

کس سے کروں میں دعوئے دل جا کے اے خدا
دل دادہ زلف ہوں رخِ دلبر ندیدہ ہوں

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سودا بقولِ درد
"جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں"

سودا

۸۶۔ ہم

یہ قطعہ پڑھے تھا سوزِ دل سے
سودا کے جو رات گھر گئے ہم

جوں شمع لبوں پہ آ رہا جی
تھا تن سو گداز کر گئے ہم

اتنی بھی بہ تنگ پیش قدمی
گر شام نہیں سحر گئے ہم

جلدا

ہو گی نہ کسی کو یہ خبر بھی
اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کہ ہم

کہتا تھا کل کسو سے کروں گا کسو کو قتل
اتنا تو کشتنی نہیں کوئی مگر کہ ہم

دیکھیں تو کس کی چشم سے گرتے ہیں لختِ دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابرِ تر کہ ہم

اتنا کہاں ہے سوزِ طلب دل پتنگ کا
رکھتی نہیں ہے شمع بھی ایسا جگر کہ ہم

سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دے
رسوا ہوا پھرے ہی تو اب در بدر کہ ہم

سودا

۸۷ - آگ

پھونک دی ہی عشق کی تپ نے ہمارے تن میں آگ
دہکے ہی جوں شعلہ فانوس پیراہن میں آگ

رنگِ گل کچھ بے طرح دہکے ہے اے ابرِ بہار
آشیاں میرا بھڑک لگتی ہی اب گلشن میں آگ

لالۂ خودرو نہیں ہی خون نے فرہاد کے
جوش میں آ کر لگا دی کوہ کے دامن میں آگ

جلد۱

گو بہار آئی کسے سودا بھلا لگتا ہے باغ
یوں چمن میں گل نظر آتے ہیں جوں گلخن میں آگ

سودا

۸۸۔ فراقِ یار

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کی ان دنوں | تو بھی تو اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن | نے سیرِ باغ نے گل و گلزار دیکھنا
خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب | تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
یا جاکے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر | لے صبح تا بہ شام کئی بار دیکھنا
تسکینِ دل نہ اس میں بھی پائی تو بہرِ شغل | پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھ کو غیر پاس
پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا

سودا

۸۹۔ شورشِ محبت

سودا سے کہا میں نے کیوں تجھ سے نہ کہتے تھے | لب عشق کے ساغر سے ظالم نہ کر آلودہ

اب دیکھ تو حال اپنا ٹک رحم کی نظروں سے | ناحق کی بلا میں تو ہے کس قدر آلودہ
آنکھیں تری رکھتی ہیں داماں و گریباں کو | خونناب کے قطروں سے شام و سحر آلودہ
جس سمت نظر کیجے اودھر نظر آتا ہے | لوہو سے ترے سر کے دیوار و در آلودہ
اس بات میں اے ناداں بتلا تو مزہ کیا ہے | پاؤں سے جو تو خوں میں ہے تا بسر آلودہ
جس وقت غرض اس نے یہ بات سنی مجھ سے | اتنا ہی کہا بھر کر آہِ اثر آلودہ

لذت کو ہلاہل کی ان کو بتاؤں میں
ہے کام و دہن جن کا شہد و شکر آلودہ

سودا

۹۰- اسرارِ محبت

مانے ہیں کسے واقفِ اسرارِ محبت | پوجیں نہ خدائی کو پرستارِ محبت
آتش ہے تری گرمیٔ بازارِ محبت | کیا لے گا بجز داغ۔ خریدارِ محبت
کیوں مجھکو نہ مارا غمِ دوری نے تری آہ | کس منہ سے کروں گا میں پھر اظہارِ محبت
کرتے ہیں اسیرِ قفس و دام بھی فریاد | لے سکتے نہیں سانس گرفتارِ محبت
کیونکر نہ کراہے وہ بھلا۔ ناصحِ بیدرد | جس دل میں کھٹکتا ہو پڑا خارِ محبت

دعویٰ مری صحت پہ مسیحا کو غلط ہے
بچتے ہی نہ دیکھا کوئی بیمارِ محبت

ہر جرم کو ہے عفو ترے عہد میں ظالم
گردن زدنی ہے سو گنہگارِ محبت

روتی تھی مرے حال پہ بے مہریٔ افلاک
جس روز کیا تجھ سے میں اقرارِ محبت

جلدا

سودا

۹۱- دل

کس سے جا اٹکا ہے دل میرا عجب دیوانہ ہے
شورِ محشر ایک جس کی شوخیٔ جانانہ ہے

قدر سمجھے وسعتِ دل کی نہ شیخ و برہمن
ورنہ دونوں کے لئے ہم کعبہ ہم بتخانہ ہے

تا دوئی ہے درمیاں لافِ آشنائی کا غلط
آشنا اس سے ہے وہ جو آپ سے بیگانہ ہے

دکھ دھندا اور بھی ہیں لیک کسو نے کوئی
دل سا بھی درپئے آزار کہیں دیکھا ہے

پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں سودا
جنسِ دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے

لینا جو شیشۂ دل منظور ہے تو یہ ہے
ثابت جو ہے تو یہ ہے گر چور ہے تو یہ ہے

سودا

جلد ۱

۹۲- جذبِ عشق

دکھاؤں گا تجھے زاہد اس آفتِ جاں کو
خلل دماغ میں تیرے ہی پارسائی کا
شیخ نے اس بت کو جس کوچہ میں دیکھا شام کو
لے چراغ اب ڈھونڈے ہی واں تا سحر اسلام کو
جن کے دامن تھے نمازی سو ترے کوچہ میں
ان کے خرقوں کے گریبان پھٹے جاتے ہیں

گردش سے اس نگاہ کی اے محتسب خبر
دنیا تمام بزمِ خرابات ہو گئی

سودا

۹۳- احوال

میں نے یہ سودا سے کہا ایک دن
غم ترا کیا سینہ میں گھر کر گیا
سن کے کہا جو کوئی آیا سو یاں
سیر بانداز دگر کر گیا
ایک جو مانندِ گل اس باغ سے
خرّم و خنداں ہو گزر کر گیا
آن کے شبنم کی طرح دوسرا
شام سے رو رو کے سحر کر گیا
کیا تجھے اب فائدہ اس غم کرے
ہر کوئی اک طرح بسر کر گیا

بہنا کچھ اپنی چشم کا دستور ہو گیا
دی تھی خدا نے آنکھ یہ ناسور ہو گیا

بھٹکی پھرے ہے کب سے خدایا مری دعا
دروازہ کیا قبول کا معمور ہو گیا

خوش ہیں شکستہ بالی سے اپنی ہم اس لیے
پرواز کا تو دل سے خلش دور ہو گیا

سوداؔ کو کہتے ہیں کہ ہے اس سے مصاحبت
کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا

اوروں کی نسبت ان دنوں کچھ لگ چلا تھا وہ
دو چار جھڑکیوں میں بدستور ہو گیا

جلد ا

سودا

۹۴۔ کش مکش

کیوں میں تسکینِ دل اے یار کروں یا نہ کروں
نالہ جا کر پسِ دیوار کروں یا نہ کروں

سن لے اک بات مری تو کہ رمق ہے باقی
پھر سخن تجھ سے ستمگار کروں یا نہ کروں

ناصحا اٹھ مری بالیں سے کہ دم رکتا ہے
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں

خوابِ شیریں میں ہے اور دل ہے مرا مائلِ شوق
جی دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

کوچۂ یار کو میں رشکِ چمن اے سوداؔ
جا کے با دیدۂ خونبار کروں یا نہ کروں

سودا

۹۵ تحفہ

جلد ا

جب خوش ہو تو دے گا لی اک بار سو یہ تحفہ
رنجش تو کہوں کس سے۔ ہی پیار سو یہ تحفہ

ہر دم کے تفحص سے لائے ہیں بجاں مجھکو
غم اپنے کی وہ صورت۔ غمخوار سو یہ تحفہ

سُن نظم کو سودا کی مُنھ پھیر لگا کہنے
آفاق میں وہ شہرہ۔ اشعار سو یہ تحفہ

سودا

۹۶- ناسمجھی

دل مرا پند گو نہ سمجھے گا
پند تیری نکو نہ سمجھے گا

تجھ سا دانا۔ ہزار حیف کہ تو
یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

یہ سمجھ لے تو اب کہ سودا کا
دل تری گفتگو نہ سمجھے گا

حق کے سمجھائے سمجھے تو سمجھے
تیرے سمجھائے تو نہ سمجھے گا

سودا

جلد ۱

۹۷۔ سمجھ کا پھیر

تمہارے فہم میں پیارے جو ہم ہیں غیر یوں سمجھو
اگر سمجھے ہو بیگانوں کو اپنا۔ خیر یوں سمجھو

کہاں ان سے نہ ملنے کو بھلا جان اپنی جانب میں
جو تم اس دوستی کرنے کو سمجھے بیر یوں سمجھو

بُرا مانے تو مت گفتار سے سودا کی اے پیارے
کہ اس کی بات کچھ رکھتی نہیں سر پیر یوں سمجھو

سوداؔ

۹۸۔ شکایتِ الفت

سوداؔ فغاںؔ کو خط یہ لکھا اس کے یار نے
جس وقت اُس کے حال کی اس کو خبر گئی

سُن اے فغاںؔ جہان میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اسی روش اس کی گزر گئی

شیریں نے جور کب نہ کیا کوہ کن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا تھی کہ لیلےٰ نہ کر گئی

کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرّا نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ صبح
خاکستر اُن کی لے کے صبا دوش پر گئی

میں تازہ کچھ کیا ہی کہ بدنامی کو مری
آوازِ آہ و نالہ تری گھر بہ گھر گئی

لوہو سے تیرے سر کے ہی دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خون کی بیرونِ در گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابرِ تر گئی

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے لکھا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

شیریں کی ایک میں نہ کہوں۔ ورنہ بارہا
لیلےٰ جدھر تھی وادیٔ مجنوں اُدھر گئی

جلد ۱

یہاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انھیں باہم بسر گئی

جاری ہوا تھا خوں رگِ مجنوں سے وقتِ فصد
لیلےٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی

ظالم کرو رگل کا گریباں ہوا ہی چاک
اک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی

پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
روتی ہوئی نہ بزم سے وقتِ سحر گئی

یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے تجھکو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی

میرے لہو سے ہی مری دیوار گھر کی سُرخ
میری ہی موجِ خوں مرے بیرونِ در گئی

شکوہ تو کیوں کرے ہی مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

سودا ؔ-

جلد ۱

۹۹- ہوا سو ہوا

جو گزری مجھ پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

پہنچ چکا ہے سرِ زخم دل تلک یارو
کوئی سیو کوئی مرہم کرو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

کہے ہے سُن کے مری سرگزشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

یہ کون حال ہے احوالِ دل پہ اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا

دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے سودا
پھر آگے دیکھئے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

سودا

۱۰۰- تغافل

نسیم ہے ترے کوچہ میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے

ترا غرور مرا عجز تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

خیال اپنے میں گو ہوں ترانہ سنجاں مست
کراہنے کو دلوں کے کبھی سنا بھی ہے

ستم روا ہی اسیروں پہ اس قدر صیّاد چمن چمن کہیں بلبل کی اب نوا بھی ہے

جلد ا

سمجھ کے رکھیو قدم خارِ دشت پر مجنوں

کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہی

سودا

۱۰۱۔ افسردگی

موسمِ گل ہی دلے کچھ یہ دل اب شاد نہیں تابِ پرواز نہیں طاقتِ فریاد نہیں

آہ اس دل نے تجا ننگ و حیا کو ورنہ

کیا کیا باتیں ہیں تمھاری کہ ہمیں یاد نہیں

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو قسمت کا جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ہمیں

اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

سخنِ عشق نہ گوشِ دلِ بیتاب میں ڈال مت یہ آتش کدہ اس قطرۂ سیماب میں ڈال

ابھی جھپکی ہی ٹک اے شورِ قیامت یہ پلک

صبح کا وقت ہی ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

سودا

۱۰۲۔ آخرِ شب

نالہ سینے سے کرے عزمِ سفر آخرِ شب
راہرو باندھے ہے چلنے پہ کمر آخرِ شب

سانس ٹھنڈی کسی بالوس کی ہے ورنہ نسیم
کرسکے ہی ترے کوچہ سے گزر آخرِ شب

روکوں نالے کو نہ لب پر تو کروں کیا اے دل
شامِ تاثیر نہ اس میں نہ اثر آخرِ شب

انتہا عیشِ جہاں کی جو تو دیکھا چاہے
بزمِ مستاں پہ نگہ غور سے کر آخرِ شب

صورتِ ماہِ شبِ بیست و پنجم سودا
کچھ ڈھلا جلوے سے آیا وہ نظر آخرِ شب

سودا

۱۰۳۔ فنا

اس گلشنِ ہستی میں عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہے کہاں کا

شمع میں ہر چند ہے سر سے گزر جانے کی طرح
کھب گئی لیکن ہمارے دل میں پروانے کی طرح

کوسوں کا نہیں فرق وجود اور عدم میں
قصہ ہے تمام آمد و شد کا دو قدم میں

ساقی ہے اک تبسمِ گل فرصتِ بہار ظالم بھرے ہی جام تو جلدی سے بھر کہیں

جلد ا

کسی کے مرگ پر اے دل نہ کیجئے چشمِ تر ہرگز

بہت سا رو دیئے ان کو جو اس جینے پہ مرتے ہیں

سودا

۱۰۴- دورِ خزاں

باغِ دلی میں جو اک روز ہوا میرا گزر نہ وہ گل ہی نظر آیا نہ وہ گلشن نہ بہار

نخل بے بار پڑے سوکھی پڑی ہیں روشیں خاک اُڑتی ہے ہر اک طرف پڑے ہیں خس و خار

مُسکراتا تھا جہاں غنچہ و گل ہنستا تھا اشکِ شبنم کے بھی قطرے کا نہیں واں آثار

جس جگہ جلوہ نما رہتے تھے سرو و شمشاد مشتِ پر قمری کے اُس جا نظر آئے یکبار

دیکھتا کیا ہوں مگر سوکھی سی اک شاخ اوپر عندلیب ایک ہے بے بال و پر و دل افگار

بدم سرد و بصد حسرت و صد سوزِ جگر دیکھ کر سوئے چمن کہتی تھی با نالۂ زار

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد

روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

سودا

جلد ا

۱۰۵- عبرت

نہ کر غرور تو زنہار اس پہ اے ناداں
جو مرتبہ ہے ترا شکلِ مہر و ماہ بلند
کرے ہی گردشِ دوراں طرح ہنڈولے کی
ہر ایک شخص کو یاں گاہ پست گاہ بلند
ابھرے ہی گیا حباب نمط اے حریر پوش
یاں جس کو دیکھئے سو ہوا ہی کفن بدوش
سکھ نیند زیرِ سقفِ فلک کیوں کہ سو سکوں
ادھر دُہل بجے ہی اُدھر نوحہ وُ خروش
ٹک ہمرہانِ قافلہ سے کہدے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمھارے تو ہم رہے

سودا ہے کیا طلسمِ زمانہ کا اعتبار
نے جام ہی رہے ہیں جہاں میں نہ جم رہے

سودا

۱۰۶- استغنا

صبحدم سودا چمن میں مجھکو آیا تھا نظر
ان دنوں شاید وہ کچھ شورِ جنوں سے تنگ ہی
پائے گلبن بے دماغانہ سا کچھ بیٹھا ہوا
اک غزل پڑھتا تھا یہ مطلع کا جس کے ڈھنگ ہی
سمع کا میری صدائے خندہ گل ننگ ہی
ٹک پرے جا بولِ بلبل گو تو خوش آہنگ ہی

جلد۱

ٹک پرے رکھنا قدم اس آستاں سے گرد باد — خاکساری کو ہماری سرکشی سے ننگ ہے

آہ کس منھ سے کہوں تجھکو کہ ٹک ایدھر تو دیکھ — تنگی سے میری سدا بیزار میرا رنگ ہے

ہو سکیں نازک دلاں کب روکشِ حرفِ درشت — عکس بالِ طوطی اپنے آئینے پر سنگ ہے

ٹک پرے گلشن سے میرے شور گر ابرِ بہار — یاں صدائے رعد آوازِ شکستِ رنگ ہے

اس میں جرأت سے میں اس کا قطع کر طولِ کلام — یہ کہا چرخِ منقش کیا زمرد رنگ ہے

گوشۂ خاطر سے کرتا ہے عوض اس قصر کو — سر اٹھا دیکھا تو ٹک اتنا ہی بولا تنگ ہے

ناگہہ اس اثنا میں اک منعم نے آ اُس سے کہا — بندہ خانہ کیا تمھیں تشریف لانا ننگ ہے

ہو مکاں میں مسند اور ہر اک جا فرشِ سمور — ہر طرف مطرب پسر ہر سو رباب و چنگ ہے

نوش کرنے کو کباب اور پینے کے خاطر شراب — دیکھنے کو رقصِ محبوبانِ خوش آہنگ ہے

یہ کہا سن کر جو ترغیب آپ کرتے ہیں مجھے — اس کو باور کیجیے گا یہ خیالِ بنگ ہے

نازپروردہ جو استغنا کے ہیں ان کے تئیں — اک قدم راہِ طلب طے کرنی سو فرسنگ ہے

دیکھنا راہِ اجل ان کو تماشا رقص کا — دردِ دل سننا کسی کا ان کو عود و چنگ ہے

غم کسی دل سوختہ پر ان کو کھانا ہی کباب — نت انھیں خونِ جگر پینا مئے گلرنگ ہے

خاک و راک ایسے کی ہیں وہ تری مسند ہی کیا — عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا ننگ ہے

کہہ سلیماں سے نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو — پیشِ اربابِ ہمم یہ دست زیرِ سنگ ہے

سودا

جلد ۱

۱۰۷- یاروں کا گلا

وہی ہیں دن وہی راتیں وہی ہے سحر و شام — وہی ہے روشنیٔ مہر و مہ جو کچھ تھی مدام

نہ جانوں دورِ محبت کا کیا ہوا یارب — کہ دوستوں سے جدا کر گئے گردشِ ایام

ہمیں لے آئی ہے شہرِ غریب جس دن سے — کبھو انھوں کی طرف سے نہ نامہ نہ پیغام

علی الخصوص تغافل کو میر صاحب کے — کہوں میں کس سے کہ با وصفِ اتحادِ تمام

لکھا نہ پرچۂ کاغذ بھی اتنی مدت میں — کہ بے قراروں کو تا ہووے موجبِ آرام

کبھو اُنھوں کو ہماری بھی الفتِ سابق — کسی کے ہاتھ جو پہنچے ہے نامہ نہ پیغام

جو وہ پھرے ہے ادھر سے تو یہ بھی کہتا نہیں
کہ میں کہی تھی تری بندگی اُنھوں کو سلام

سودا

۱۰۸- ہیچ

سیرِ چمنِ عمر جو کی ہم نے تو کیا ہیچ — رنگیں ہے جوانی کا گل اس میں سو تھا ہیچ

شیشے کو بھی توڑو تو نکلتی ہے اک آواز — عاشق ہی کا وہ دل ہے کہ ٹوٹے تو صدا ہیچ

جلد ۱

ناصح تو نہیں چاشنیِ درد سے آگاہ — بے عشقِ بتاں جینے کی لذت بخدا ہیچ

شاہاں سے سوال اپنا رعونت تکنی ہے — کونین تلک ورنہ ہے پیشِ فقرا ہیچ

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی — دیکھا جو انہیں جا کے تو عمامہ سوا ہیچ

دل دے ہے گواہی کہ ہے اس ناقہ میں لیلےٰ — مجنوں تو خبر لے نہیں آوازِ درا ہیچ

سودا سے کہا میں کہ ترے شہرہ کو سن کر — دیکھا جو تجھے آکے تو لے بے سر و پا ہیچ

بولا کہ تجھے یاد ہے وہ مصرعِ بیدل
"عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ"

سودا

۱۰۹۔ مشاہدہ

گدا دستِ اہلِ کرم دیکھتے ہیں — ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے — سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں

غرض کفر سے ہے نہ کچھ دیں سے مطلب — تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں

حبابِ لبِ جو ہیں اے باغباں ہم — چمن کو ترے کوئی دم دیکھتے ہیں

مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے — جو نامہ اسے کر رقم دیکھتے ہیں

خدا دشمنوں کو نہ وہ کچھ دکھاوے
جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں

ستم سے کیا تو نے ہم کو یہ خوگر
کرم سے ترے ہم ستم دیکھتے ہیں

مگر تجھ سے رنجیدہ خاطر ہے سوداؔ
اسے تیرے کوچہ میں کم دیکھتے ہیں

سوداؔ

۱۱۰ - دھوم

کیا مچائی ان نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبہ میں بت خانے میں دھوم

مٹ گئے وہ شور دل کے ہائے تب آئی بہار
ورنہ کیا کیا ہم بھی کرتے شہر و ویرانے میں دھوم

زلف کو کھولا تو کر اس دل کی شورش کا علاج
سخت دیوانے کی ہے زنجیر کھل جانے میں دھوم

تجھ نگاہِ گرم کی حسرت سے دل مارے ہے جوش
رات کو دیکھوں ہوں میں جب شمع پروانے میں دھوم

کب سے اے سودا شراب اس بزم میں پیتے ہیں یار
تو ستا اے کم ظرف کی پہلے ہی پیمانے میں دھوم

جلد ۱

سودا

۱۱۱- آتش

دوری ہی تری اپنے دلِ زار کو آتش
ہی یادِ چمن مرغِ گرفتار کو آتش

ہم گرم تگو پو ہیں تری راہِ طلب میں
یاں آبلۂ پا ہی سرِ خار کو آتش

اب شیخ و برہمن ہیں مبرا زمذاہب
تجھ عشق نے دی سبحۂ و زنار کو آتش

ابر اس کو بجھاتا ہی وہ بجھتی نہیں سودا
دی لالۂ خودرو نے یہ کہسار کو آتش

سودا

۱۱۲- رہبر

قیس کی آوارگی ہی دل ہی سمجھو تو کہوں
ورنہ لیلےٰ ہی ہر اک محمل میں سمجھو تو کہوں

چشمِ کم سے خلق کو آپس میں مت دیکھا کرو
زور ہی جھمکا ہی مشتِ گل میں سمجھو تو کہوں

میکدہ اور کعبہ میں کیا ہے تفاوت شیخ جی　　شیشہ ہی پتھر کی ہر اک سل میں سمجھو تو کہوں
ناصحو کیفیت ان آنکھوں کی کیا پوچھو ہو تم　　مجھ سا عاشق ہو گیا اک پل میں سمجھو تو کہوں　جلد ا
جانتے ہو عیش تم دنیا میں جس کو سو نہیں　　عیش ہے دنیا کی جو محفل میں سمجھو تو کہوں

کرتے ہو ہر دم جو وصفِ چشمۂ آبِ حیات
آب ہی جو خنجرِ قاتل میں سمجھو تو کہوں

سودا

۱۱۳- غزل

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا　　الٰہی ان نے اب ڈاڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا
طپش نے ان دنوں دل کی نئی صورت نکالی ہے　　ٹپکتا ہے پڑا اتوں کو یوں پکتا ہے جوں پھوڑا
صبا سے ہر سحر مجھ کو لہو کی باس آتی ہے　　چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا
بہت بیجا ہے رہنا سرکشی سے بزمِ ہستی میں　　کہ مثلِ شمع رشتہ عمر کا ہر آن ہے تھوڑا

نہ مل کم ظرف سے ہرگز بقولِ آبرو سودا
"کسے برداشت ہے ناحق اٹھاوے کون نکتوڑا"

سودا

جلد ا

۱۱۴۔ کہتے ہیں

تو نے سوداؔ کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں

جس سے پوچھا کہ یہ دل خوش ہے کہیں دنیا میں
رو دیا اُن نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

محتسب نے کسی مے خانہ میں جا اے زاہد
ایک شیشے کو بھی ثابت نہ رکھا کہتے ہیں

تو تو اس معنی سے کیا شاد ہوا ہووے گا
پوچھیے اہلِ دلوں سے کہ وہ کیا کہتے ہیں

سودا

۱۱۵۔ حسنِ تکرار

اتنا ستم نہ کیجے مری جان جان جان
یکساں نہیں رہے گا ترا مان مان مان

آئینہ ٹک تو دیکھ کہ خالق نے خاک کو
کیا کیا بنائی صورتِ انسان سان سان

گزرا ہی تو چمن سے کہ جائے ترانہ آج
کھینچے ہے آہ مرغِ گلستان تان تان

پوچھا کسی نے مارا تو سوداؔ کو کس لئے
بولا مجھے وہ گھورے تھا آن آن آن

سودا

جلد

۱۱۶- گلزارِ سودا

ہم نے بھی دیر و کعبہ سے دن چار کی ہوس
اب سبحہ کا نہ شوق نہ زنّار کی ہوس

نے چین روزِ وصل نہ شب ہجر کی قرار
کیا جانے کیا ہے اپنے دلِ زار کی ہوس

ٹک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک

ساقی سمجھ کے دیجیو جامِ شرابِ عشق
آخر کو کام پہنچے گا اس کا خمار تک

وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

قیمت میں اُن کی گو ہم دو جگ کو دے چکے اب
اُس یار کی نگاہیں تس پر بھی سستیاں ہیں

عشق کے کوچہ میں اپنا مت قدم رکھ بوالہوس
گر تجھے منظور واں سے سر گزر جانا نہیں

ناصحا بالیں سے میرے اُٹھ خدا کے واسطے
جان کھاتی اس کو کہتے ہیں یہ سمجھانا نہیں

عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

جان تو حاضر ہے اگر چاہیئے
دل تجھے دینے کو جگر چاہیئے

یارو وہ شرم سے جو نہ بولا تو کیا ہوا
نظروں میں سو طرح کی حکایات ہو گئیں

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

سودا

جلد ۱

۱۱۷- کلامِ سودا

اکثر نشاں بنے ہیں عالم میں نام خاطر
تو نے سخن کو سودا اپنا نشاں بنایا

سخن کو ریختے کے پوچھے تھا کوئی سودا
پسند خاطرِ دلہا ہوا یہ فن مجھ سے

کب اس کو گوش کرے تھا جہاں میں اہلِ کمال
یہ سنگ ریزہ ہوا ہے دُرِ عدن مجھ سے

تو نے وہ سودا زبانِ ریختہ ایجاد کی
پڑھ گے اک عالم اٹھاتا ہے ترے اشعار فیض

منزلت شعر کی ترے سودا
یوں بو ہم و گمان پڑتی ہے

نہیں عیسیٰ تو پہ سخن سے ترے
تنِ بے جاں میں جان پڑتی ہے

مداح علی کا ہوں میں سودا شعرا میں
پڑھتے ہیں ملائک مرے اشعار فلک پر

سودا کے خیالات میں جھلکے ہے خدائی
جو اپنے تخیل میں یہ چاہے سو وہی ہو

تحریر میں سودا کی ہے جادو بھلا کس کو
خامہ یدِ قدرت سے اس کا ہے تراشیدہ

سودا کی شاعری کا منکر نہ میں وہ دیکھا
آخر کو کام جس کا اقرار تک نہ پہنچا

شاعرانِ ہند کا تو گرچہ پیغمبر نہیں
پر سخن کہنے میں اے سودا تجھے اعجاز ہے

سخن تو یار بھی سودا بُرا نہیں کہتے
دے جو چاہے یہ اندازِ گفتگو معلوم

باطل ہے ہم سے دعویٰ شاعر کو ہمسری کا
دیوان ہے ہمارا کیسہ جواہری کا

جلد ۱

خلق تمام جانے ہے ہم بھی سخنوروں میں ہیں — رتبہ کے دہن کے نام کے جان کے عز و شان کے

سودا کو تم سمجھتے تھے کہہ نہ سکے گا یہ غزل — آفریں ایسے وہم پر صدقے میں اس گمان کے

سودا بدل کے قافیہ تو اس غزل کو کہہ — اے بے ادب تو درد سے بس و بدونہ ہو

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ — ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

کہتے ہیں وہ جو ہے سودا کا قصیدہ ہی خوب — اُن کی خدمت میں لئے میں یہ غزل جاؤں گا

غرض یہ وہ غزلِ قطع بند ہے سودا — کہ اُس کی قدر کوئی کیا جز انوری جانے

عروس معنی کی تصویر کھینچ آتی ہے سودا کو
کوئی خاطر میں اُس کے مانی و بہزاد آتا ہے

سودا

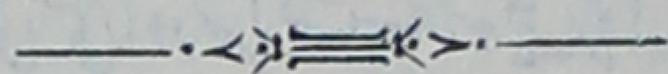
تمام شد

جذباتِ فطرت

جلد اوّل

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام



۱۔ میر تقی میر

ولادت اکبر آباد ۱۱۲۵ھ وفات لکھنؤ ۱۲۲۵ھ

میر تخلص۔ محمد تقی نام۔ خلف میر عبد اللہ شرفائے اکبر آباد سے تھے میر صاحب کو ابتدا سے شعر کا شوق تھا باپ کے مرنے کے بعد دہلی آئے اور اپنے ایک رشتہ دار

سراج الدین علی خاں آرزو کے پاس انھوں نے اور اُن کی شاعری نے پرورش پائی فنِ شاعری میں وہ کمال پیدا کیا کہ ہر چند تخلص اُن کا میر تھا مگر گنجفۂ سخن کی بازی میں آفتاب ہو کر چمکے۔ قدردانی نے اُن کے کلام کو جواہر اور موتیوں کی نگاہوں سے دیکھا اور نام کو پھولوں کی مہک بنا کر اڑایا۔ ہندوستان میں یہ بات انھیں کو نصیب ہوئی کہ مسافر غزلوں کو تحفہ کے طور پر شہر سے شہر میں لے جاتے تھے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ نحوست اور فلاکت قدیم سے اہلِ کمال کے سر پر سایہ کئے ہیں ساتھ اس کے میر صاحب کی بلند نظری اس پایہ کی تھی کہ دنیا کی کوئی بڑائی اور کسی شخص کا کمال یا بزرگی اُن کی نظر میں نہیں جچتی تھی پھر نازک مزاجی بھی غضب کی تھی خودداری کی کوئی حد نہ تھی عمر بھر راحت و فارغ البالی کا منہ نہ دیکھا شاعری کی مستی اور شرافت کے نشہ میں یوں ہی بسر کر دی۔

اگرچہ دلّی میں شاہ عالم کا دربار اور امرا و شرفا کی محفلوں میں ادب ہر وقت اُن کے لئے جگہ خالی کرتا تھا اور ان کے جوہر کمال اور نیکیٔ اطوار کے سبب سے سب عظمت کرتے تھے مگر سلطنت خستہ حالی کی بدولت خود چند روز کی مہمان نظر آتی تھی اور دلّی ویران ہو چلی تھی۔ تنگ دستی سے پریشان ہو کر ۱۱۹۵ھ میں بالآخر دلّی چھوڑنی پڑی۔

لکھنؤ پہنچے تو جیسا مسافروں کا دستور ہے ایک سرا میں اترے۔ معلوم ہوا کہ آج یہاں ایک جگہ مشاعرہ ہے اسی وقت غزل لکھی اور مشاعرہ میں جا کر شامل ہوئے اُن کی وضع قدیمانہ، کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ، ایک پورا تھان پستولئے کا کمر سے بندھا، ایک رومال پٹری دار تہ کیا ہوا اس میں آویزاں، مشروع کا پاجامہ۔ جس کے عرض کے پائنچے، ناگ پھنی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار دوسری طرف کٹار ہاتھ میں جریب، غرض جب داخل محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنؤ۔ نئے انداز نئی تراشیں، بانکے ٹیڑھے جوان جمع انھیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔

میر صاحب بے چارے غریب الوطن زمانہ کے ہاتھ سے پہلے ہی شکستہ دل تھے اور بھی تنگ دل ہوئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ شمع اُن کے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہاں ہے میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر غزلِ طرحی میں داخل کیا ؎

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے

اُس کو فلک نے لُوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

سب کو حال معلوم ہوا بہت معذرت کی اور میر صاحب سے عفوِ تقصیر چاہی کمال کے طالب تھے صبح ہوتے ہوتے شہر میں مشہور ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے ہیں یکفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بھی سنا تو بہت اعزاز واکرام کیا اور دو سو روپیہ مہینا کر دیا میر صاحب کبھی کبھی نواب کی ملازمت میں جاتے تھے بالآخر نازک فراجی یہاں بھی رنگ لائی ایک دن نواب سے ذرا سی بات پر بگڑ گئی تو دربار کا آنا جانا چھوڑ دیا۔ قطع تعلق کر کے بدستور اپنے گھر بیٹھ رہے اور فقر و فاقہ میں گزارہ کرتے رہے آخر ۱۲۲۵ھ میں فوت ہوئے سو برس کی عمر پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میر صاحب کی زندگی اور اُن کے کلام سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ بڑے پایہ کے صوفی بھی تھے اور گفتن و دانستن جو بالعموم فلسفی شاعروں کی حد ہے اس سے کہیں آگے بڑھ کر دیدن بلکہ شدن تک کی خبر لاتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

سہل ہے میرؔ کا سمجھنا کیا ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

اور دراصل وہی فقر کا نشہ تھا جس نے سب چیزوں کو دل سے گرا دیا تھا اور استغنا نے اُن کی زندگی کو خودداری و بے نیازی، مسکینی و غربت، صبر و قناعت اور تقویٰ طہارت کا قابلِ احترام مرقع بنا دیا خود شاعری جس پر عرصہ تک میر صاحب کو بجا طور سے بہت ناز رہا کمالاتِ انسانی کا پتہ لگنے پر میر صاحب کے دل سے اتر گئی چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اے میر شعر کہنا ہے کیا کمالِ انساں — یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آگیا ہے

آخر عمر میں حالت کچھ اور ہی ہوگئی تھی ؎

ملیئے اس شخص سے جو آدم ہوئے — ناز اس کو کمال پر بہت کم ہوئے

ہو گرم سخن تو گرد کرے اک خلق — خاموش رہے تو ایک عالم ہوئے

کوئی دن کیجیے معیشت جا کسو کامل کے پاس — ناقصوں میں رہیئے کیا رہیئے تو صاحبدل کے پاس

مت رنج کھینچ مل کر ہشیار مرداں سے — اس کی خبر ملے گی اک آدھ بے خبر سے

اِن اُجڑی ہوئی بستیوں میں جی نہیں لگتا — ہے جی میں وہیں جا بسیں ویرانہ جہاں ہو

وحشت ہے خردمندوں کی صحبت سے مجھے میر — اب جا رہوں گا واں کوئی دیوانہ جہاں ہو

ہو کوئی بادشاہ کوئی یاں وزیر ہو — اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

میر کیا ہے فقیر مستغنی — آوے اُس پاس بادشاہ تو کیا

ضمیمہ جلد ا

ضمیمہ جلد ا

کب ملے میر ملک داروں سے وہ گدائے شہرِ ولایت ہے

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم القصہ نہ در پے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

بے ہوشِ مئے عشق ہوں کیا میر پھر آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا جا چکا ہوں جہان سے کب کا

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں

سدا ہم تو کھوئے گئے سے رہے کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں

کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل لاابالی سا ہے پر کامل ہے میاں

وحشت ہے بہت میر کو مل آئیے چل کر کیا جانیے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

ملنے والو پھر ملے گا ہے وہ عالمِ دیگر میں میر فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

بے خودی پر نہ میر کی جاؤ

تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

اردو شاعری میں بالعموم تصوف خواجہ میر درد کا حصہ مانا جاتا ہے اور اس میں کلام نہیں کہ خواجہ مرحوم نے اردو شاعری کو معرفت سے خوب معطّر کیا ہے لیکن فقر کے میدان میں پھر بھی میر مرحوم ہی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ البتہ اپنے کمال کے پردہ میں چھپے رہتے ہیں اور غور سے نظر جمائے بغیر پہچان میں

کم آتے ہیں پھر بھی کبھی کبھی اشارہ کر دیتے ہیں ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہی فلک برسوں تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتے ہیں

ضمیمہ جلد ۱

کلام کے خصوصیات - میر صاحب کی زبان شستہ، کلام صاف بیان ایسا پاکیزہ جیسے باتیں کرتے ہیں دل کے خیالات جو کہ سب کی طبیعتوں کے مطابق ہیں محاورہ کا رنگ دے کر باتوں باتوں میں ادا کر دیتے ہیں اور زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دی ہے کہ وہی باتیں ایک مضمون بن جاتی ہیں اسی واسطے ان میں بہ نسبت اور شعرا کے اصلیت کچھ زیادہ قائم رہتی ہے بلکہ اکثر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے گویا فطرت کی تصویر کھینچ رہے ہیں یہی سبب ہے کہ ان کا کلام دلوں پر اثر بھی زیادہ کرتا ہے وہ گویا اردو کے سعدیؔ ہیں۔

ایشیا کے تمام شعرا عشق و ہجر اور حسرت و ناکامی کا راگ الاپتے ہیں مگر اکثر کے بیشتر مضامین خیالی ہیں اور میر صاحب کے حالی۔ اس لئے کہ میر صاحب کی ساری عمر ناکامی اور نامرادی ہی میں گزری اور اُن کی طبیعت قدرتاً درد خیز اور دل حسرت انگیز تھا اور یہی غزل کی جان ہے ان کا کلام صاف کہہ دیتا ہے کہ جس دل سے نکل کر آیا ہوں وہ غم و درد کا پتلا نہیں حسرت و اندوہ کا جنازہ تھا ہمیشہ وہی خیالات بسے رہتے تھے بس جو دل پر گزرتے تھے وہی زبان سے

کہہ دیتے تھے کہ سننے والوں کے لئے نشتر کا کام کر جاتے تھے۔

ضمیمہ جلد ا

ان کی غزلیں ہر بحر میں ہیں کہیں شربت اور کہیں شیر و شکر ہیں مگر چھوٹی چھوٹی بحریں فقط آبِ حیات بہاتے ہیں جو لفظ منہ سے نکلتا ہے تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے ان کی غزل اصولِ غزلیت کے لحاظ سے سوداؔ سے بہتر ہے ان کا صاف اور سلجھا ہوا کلام اپنی سادگی میں ایک انداز دکھاتا ہے اور فکر کو بجائے کاہش کے لذّت بخشتا ہے اِسی واسطے خواص میں معزز اور عوام میں ہر دلعزیز ہے۔

چونکہ مطالب کی دقّت، مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کی شان و شکوہ بندش کی چُستی، لازمہ قصائد کا ہے۔ وہ طبیعت کی شگفتگی اور جوش خروش کا ثمر ہوتا ہے اِسی واسطے میر صاحب کے قصیدے کم ہیں اور اِسی قدر درجہ میں بھی کم ہیں انھوں نے طالبِ سخن پر روشن کر دیا ہے کہ قصیدہ اور غزل کے دو میدانوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اور اسی منزل میں آ کر سوداؔ اور میرؔ کے کلام کا حال کھلتا ہے۔ نقّادانِ سخن کی یہ رائے ہے کہ جو مرتبہ مرزا سوداؔ کا قصیدہ میں ہے وہی مرتبہ میرؔ کا غزل میں ہے۔ بعد کے کامل شعرا ہمیشہ میر کے معترف رہے ہیں ؎

ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا   نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب

ریختہ کے تمہیں استاد نہیں ہو غالبؔ   کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میرؔ بھی تھا

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

میر صاحب کی تصنیفات کی تفصیل یہ ہے کہ چھ دیوان ۶۰۰ لوں کے ہیں چند صفحے ہیں جن میں فارسی کے عمدہ متفرق شعروں پر اردو مصرعہ لگا کر مثلث اور مربع کیا ہے اور یہ ایجاد انھیں کی ہے۔ رباعیاں مستزاد چند صفحے۔ ۴ قصیدے منقبت میں اور ایک نواب آصف الدولہ کی تعریف میں چند مخمس اور ترجیع بند مناقب میں، چند مخمس شکایتِ زمانہ میں جن سے بعض اشخاص کی ہجو مطلوب ہے۔ ۲ دو واسوخت، ایک ہفت بند ملا حسن کاشی کے طرز پر حضرت شاہ ولایت کی شان میں اور بہت سی چھوٹی چھوٹی مثنویاں جن میں نیچرل مضامین کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں تذکرۂ نکات الشعرا۔ اس میں شعرا اردو کی بہت سی باتیں اس زمانہ کے لوگوں کے لئے دیکھنے کے قابل ہیں اور ایک رسالہ مسمیٰ بہ فیضِ میر جو اب نایاب ہے۔ بس میر صاحب کی یہی تصنیفات ہیں۔

ضمیمہ جلد ۱

۲ - مرزا محمد رفیع - سوداؔ

ولادت دلّی ۱۱۲۵ھ وفات لکھنؤ ۱۱۹۵ھ

سوداؔ تخلص - مرزا محمد رفیع نام - شہر دہلی کو ان کے کمال سے فخر تھا ان کے باپ مرزا محمد شفیع میرزایانِ کابل سے تھے - بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا - مرزا محمد شفیع بطریق تجارت واردِ ہندوستان ہوئے - ہند کی خاکِ دامن گیر نے ایسے قدم پکڑے کہ یہیں کے ہو رہے -

سوداؔ ۱۱۲۵ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش اور تربیت پائی - کابلی دروازہ کے علاقہ میں ان کا گھر تھا بموجب رسمِ زمانہ پہلے سلیمان قلی خاں وداؔر کے پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے - خان آرزو کے شاگرد نہ تھے مگر ان کی صحبت سے فائدے بہت حاصل کئے چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے خان آرزو کی فہمائش سے اردو شعر کہنے لگے طبیعت کی مناسبت اور مشق کی کثرت سے دلّی جیسے شہر میں ان کی استادی نے خاص و عام سے اقرار لیا کہ اُن کے سامنے ہی ان کی غزلیں گھر گھر اور کوچہ و بازار میں خاص و

عام کی زبانوں پر جاری تھیں

ضمیمہ جلد ا

جب کلام کا شہرہ عالم گیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے دینے لگے مرزا بڑے نازک مزاج اور نہایت غیور تھے ایک دن کسی بات پر بادشاہ سے چل گئی مرزا آزردہ خاطر ہو کر گھر میں بیٹھ رہے ہر چند بادشاہ نے بلوایا نہ گئے۔ دہلی کے اکثر امرا خصوصاً مہر خاں اور بسنت خاں ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ فارغ البالی سے بسر ہوتی تھی۔

جب ان کے کلام کا شہرہ لکھنؤ تک پہنچا تو نواب شجاع الدولہ نے کمال اشتیاق سے ان کو "برادر من مشفق مہربان من" لکھ کر خط مع خرچ سفر بھیجا اور طلب کیا انھیں دلّی کا چھوڑنا گوارا نہ ہوا جواب میں فقط اس رباعی پر حسنِ معذرت کو ختم کیا ؎

سودائے دنیا تو بہر سو کب تک | آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے | بالفرض ہوا یوں بھی تو پھر تو کب تک

کئی برس کے بعد وہ قدرداں مر گئے۔ زمانے بدل گئے۔ سودا بہت گھبرائے ایسے عہد میں ایسے تباہی زدوں کے لئے دو ہی ٹھکانے تھے۔ لکھنؤ یا حیدرآباد۔ لکھنؤ پاس تھا اور فیض و سخاوت کی گنگا بہہ رہی تھی اس لئے جو دلّی

ضمیمہ جلد ا

سے نکلتا تھا ادھر ہی رُخ کرتا تھا اور اتنا کچھ پاتا تھا کہ دوسری طرف خیال نہ جاتا تھا اُس وقت بادشاہ اور رعایا سب وہاں جو یائے کمال تھے نکتہ کو کتاب کے مولوں خریدتے تھے۔

غرض ساٹھ برس کی عمر میں گردشِ زمانہ کے ہاتھوں سودا کو دلّی چھوڑنا پڑا چند روز فرخ آباد میں نواب بنگش کے پاس رہے وہاں سے ۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے نواب شجاع الدولہ کی ملازمت حاصل کی وہ بہت اعزاز سے ملے اور اُن کے آنے پر کمال خورسندی ظاہر کی لیکن یا تو بے تکلّفی سے یا طنز سے اتنا کہا کہ مرزا وہ تمھاری رباعی اب تک میرے دل پر نقش ہے اور اس کو مکرر پڑھا انھیں اپنے حال پر بڑا رنج ہوا اور بپاس وضع داری پھر دربار نہ گئے یہاں تک کہ شجاع الدولہ مر گئے اور آصف الدولہ مسند نشیں ہوئے انھوں نے مرزا کا چھ ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا اور نہایت عزت سے اُن کو رکھا۔ تقریباً ستر برس کی عمر میں ۱۱۹۵ھ میں ہیں انتقال کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کلام کے خصوصیات:۔ کل اہلِ سخن کا اتفاق ہے کہ مرزا سودا فنِ شاعری میں استاد مسلم الثبوت تھے حتیٰ کہ میر تقی میر نے بھی ان کو اپنا ہم پلّہ مانا ہے۔ میر صاحب فرماتے ہیں:۔

سارے عالم میں ہوں میں چھایا ہوا مستند ہے میرا فرمایا ہوا

یہ قبولِ خاطر و لطفِ سخن دے ہے کب سب کو خدائے ذوالمنن

ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز و طور

اب چنانچہ میر و مرزا کا ہی دور

واضح ہو کہ میر صاحب کا اعتراف کوئی معمولی اعتراف نہیں ہے جب کہ لکھنؤ میں گھر گھر شعر و سخن کا چرچا تھا شب و روز مشاعرے گرم رہتے تھے اور قدر دانی کے دریا بہتے تھے میر صاحب سے کسی نے پوچھا کہ "کیوں حضرت آج کل شاعر کون کون ہے"؟ کہا "ایک تو سودا دوسرا یہ خاکسار" اور کچھ تامل کر کے کہا "آدھے خواجہ میر درد" کوئی شخص بولا کہ "حضرت! اور میر سوز صاحب؟" چیں بجبیں ہو کر کہا کہ "میر سوز صاحب بھی شاعر ہیں؟" انھوں نے کہا کہ "آخر استاد نواب آصف الدولہ کے ہیں" کہا کہ "خیر یہ ہے تو پونے تین سہی"

مرزا سودا ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو شعر اور فن انشا ہی کے واسطے پیدا ہوئی تھی ان کا کلام کہتا ہے کہ دل کا کنول ہر وقت کھلا رہتا تھا اس لئے سب رنگوں میں ہم رنگ اور ہر رنگ میں اپنی ترنگ، جب دیکھو طبیعت شورش

ضمیمہ جلد ا

سے بھری اور جوش و خروش سے لبریز۔ اُن کے کلام میں بعض خصوصیات بہت ممتاز ہیں۔ اوّل یہ کہ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہیں کلام کا زور مضمون کی نزاکت سے ایسا دست و گریباں ہے جیسے آگ کے شعلے میں گرمی اور روشنی۔ بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظوں کو اس دروبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہیں گویا ولایتی طپنچہ کی چابنیں چڑھی ہوئی ہیں اور یہ خاص ان کا حصّہ ہے چنانچہ جب ان کے شعر میں سے کچھ بھول جائیں تو جب تک وہی لفظ وہاں نہ رکھے جائیں شعر مزا ہی نہیں دیتا۔ خیالات نازک اور مضامین تازہ باندھتے ہیں۔ تشبیہ اور استعارے ان کے ہاں ہیں مگر اس قدر کہ جتنا کھانے میں نمک یا گلاب کے پھول پر رنگ، ان کی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی۔ نئے نئے خیال اور چٹپٹے قافیے جس پہلو سے جمتے دیکھتے تھے جما دیتے تھے اور وہی اُن کا پہلو ہوتا تھا کہ خواہ مخواہ سننے والوں کو بھلے معلوم ہوتے تھے اُن کے ہم عصر استاد خود اقرار کرتے تھے کہ جو باتیں ہم کاوش اور تلاش سے پیدا کرتے ہیں وہ اس شخص کو پیش پا افتادہ ہیں۔

سودا نے یوں تو تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر اردو میں قصائد کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلیٰ درجہ فصاحت و بلاغت پر پہنچانا

ان کا پہلا فخر ہے وہ اس میدان میں فارسی کے نامی شہسواروں کے ساتھ عناں در عناں ہی نہیں گئے بلکہ اکثر میدانوں میں آگے نکل گئے ہیں ان کے کلام کا زور شور انوری اور خاقانی کو دباتا ہے اور نزاکتِ مضمون میں عرفی و ظہوری کو شرماتا ہے۔

ضمیمہ بلد ۱

گرمیٔ کلام کے ساتھ ظرافت جو ان کی زبان سے ٹپکتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ بڑھاپے تک شوخیٔ طفلانہ ان کے مزاج میں امنگ دکھاتی تھی۔ چنانچہ ہجووں کا مجموعہ جو کلیات میں ہے اس کا ورق ورق ہنسنے والوں کے لیے زعفران زار کشمیر کی کیاریاں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت کی شگفتگی اور زندہ دلی کسی طرح سے فکر و تردد کو پاس نہ آنے دیتی تھی۔ گرمی اور مزاج کی تیزی بجلی کا حکم رکھتی تھی اور اس شدت کے ساتھ کہ نہ کوئی انعام اُسے بجھا سکتا تھا نہ کوئی خطرا اُسے دبا سکتا تھا نتیجہ اس کا یہ تھا کہ ذرا سی ناراضی میں بے اختیار ہو جاتے تھے اور ہجو کا ایسا طومار تیار کر دیتے تھے کہ جو بدنصیب اس کا آماج گاہ بنتا اس کی زندگی تلخ ہو جاتی تھی

کہتے ہیں کہ مرزا قصیدہ کے بادشاہ ہیں اور میر تقی غزل کے۔ سودا کے

ضمیمہ جلد ۱

کلام میں شان وشکوہ ہے اور میر کے کلام میں سوز وگداز۔ میر صاحب کا کلام "آہ" ہے اور مرزا کا کلام "واہ" ہے فرق ملاحظہ ہو۔

میر	سودا
ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا	چمن میں صبح جو اس جنگجو کا نام لیا صبا نے تیغ کا موجِ رواں سے کام لیا
گلا میں جس سے کروں تیری بیوفائی کا جہاں میں نام نہ لے پھر وہ آشنائی کا	گلا لکھوں میں اگر تیری بے وفائی کا لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
چمن میں گل نے جو کل دعوئے جمال کیا جمالِ یار نے منہ اس کا خوب لال کیا	برابری کا تری گل نے جب خیال کیا صبا نے مار تھپیڑا منہ اس کا لال کیا
ایک محروم چلے میر ہمیں دنیا سے ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ	سودا جہاں میں آ کے کوئی کچھ نہ لے گیا جاتا ہوں ایک میں دلِ پر آرزو لئے
رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو	سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات اب آئی سحر ہونے کو ٹک تو کہیں مر بھی
سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے	سودا کی جو بالیں پہ گیا شورِ قیامت خدامِ ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے سامنے بھی اس بات کے چرچے تھے چنانچہ خود کہتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ سودا کا قصیدہ ہی خوب اُن کی خدمت میں لئے میں یہ غزل جاؤں گا

جن اشخاص نے زبانِ اردو کو پاک و صاف کیا مرزا کا ان میں پہلا نمبر ہے۔ انھوں نے فارسی محاورات کو بھاشا میں کھپا کر ایسا ایک کیا ہے جیسے علم کیمیا کا ماہر ایک مادّہ کو دوسرے میں جذب کر دیتا ہے اور تیسرا مادّہ پیدا کر دیتا ہے کہ کسی تیزاب سے اس کا جوڑ نہیں کھل سکتا انھوں نے ہندی زبان کو فارسی محاوروں اور استعاروں سے نہایت زور بخشا۔ ان ہی کا زورِ طبع تھا جس کی نزاکت سے دو زبانیں ترکیب پا کر تیسری زبان پیدا ہو گئی اور اسے ایسی قبولیتِ عام حاصل ہوئی کہ آئندہ کے لئے وہی ہندوستان کی زبان ٹھیری جس نے حکام کے درباروں اور علوم کے خزانوں پر قبضہ کر لیا۔

کلیاتِ سودا موجود ہے۔ اس کو حکیم سید اصلح الدین خاں نے ترتیب دیا تھا اور اس پر دیباچہ بھی لکھا تھا۔ اوّل قصائد اردو بزرگانِ دین کی مدح میں اور اہلِ دول کی تعریف میں ہیں اسی طرح چند قصائد فارسی۔ ۲۴ مثنویاں ہیں بہت سی حکایتیں اور لطائف منظوم ہیں اور ایک مختصر دیوان فارسی کا

ضمیمہ جلد ۱ اور ایک دیوان ریختہ جس میں بہت سی لاجواب غزلیں، رباعیاں مستزاد قطعات۔ تاریخیں۔ پہیلیاں۔ واسوخت، ترجیع بند۔ مخمس سب کچھ کہا ہے اور ہر قسم کی نظم میں ہجویں ہیں جو ان کے مخالفوں کے دل وجگر کو کبھی خون اور کبھی کباب کرتی ہیں۔ غرض کہ کلیات اصنافِ سخن سے معمور ہے

ایک رسالہ عبرۃ الغافلین لکھا جو طبعِ شاعر کے لئے سیڑھی کا کام دیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا فقط طبعی شاعر نہ تھے بلکہ اس فن کے اصول و فروع میں بہت ماہر تھے اس کی فارسی عبارت بھی زباں دانی کے ساتھ ان کی شگفتگی اور شوخیٔ طبع کا نمونہ ہے اس میں شعر و سخن کے اصول اور بعض اساتذہ کے کلام کے حسن و قبح سے بحث کی گئی ہے۔

ایک تذکرہ شعرائے اردو کا لکھا تھا مگر اب وہ نایاب ہے۔

فہرست

پروفیسر الیاس برنی

کے

تالیفات و تراجم

پروفیسر الیاس برنی کے تالیفات و تراجم

(۱) سلسلۂ دعوتِ صدق

(۱) اسرارِ حق - آیاتِ قرآنیہ - احادیثِ نبویہ - ارشاداتِ صدیقین و کابرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور اُن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس اور فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لب لباب خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب اسلام میں علم باطن توحید اور اس کے مقامات - احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت - نبوت و ولایت کے مراتب - کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارفِ متعلقہ - ایک نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشیں ہو جاتا ہے - اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (پ۲۴)

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں، اس کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جو قابل دید ہے۔ حجم تقریباً ۵۰۰ صفحہ مجلد قیمت صرف مبلغ ہے ، (پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ دوسرا ایڈیشن بعد نظر ثانی و اضافہ مضامین عنقریب طبع ہو کر شائع ہوگا۔ اِنْ شَآءَ اللہ)

(۲) **مسکات الصلوٰت** - اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں علماء عظام اور اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جو صلوٰۃ و سلام عرض کئے ہیں۔ وہ اسلامی معارف اور عربی ادب کا بہترین سرمایہ ہیں گویا رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی الہامی تفاسیر ہیں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی معنوی تصاویر ہیں۔ ان کے مطالعے سے حضور رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت اور محبت دل میں پیدا ہوتی ہے۔ ان کے ورد سے ماشاء اللہ نسبتِ محمدی کا فیضان جاری ہوتا ہے اور دین کی نعمتوں کا دروازہ کھلتا ہے۔

یہ بے بہا ذخیرہ بعض قدیم مجموعات مثلاً دلائل شریف وغیرہ میں فراہم کیا گیا۔

تاہم اس کا بہت سا حصہ متفرق رہ گیا۔ بفضل الہٰی ایک جدید مجموعہ تیار ہوا ہے جس میں اکابر دین کے اکثر درود شریف بڑی تجسس و تحقیق سے بترتیب خاص جمع کئے ہیں۔ غالباً اب تک صلوٰۃ و سلام کا کوئی مجموعہ اس قدر وسیع اور محیط شائع نہیں ہوا۔ فدائیان رسولؐ کے واسطے بڑی نعمت ہے۔ طباعت بھی انشاءاللہ بہت پاکیزہ اور دیدہ زیب ہوگی۔ اہتمام درپیش ہے۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔

(۳) **ہدایت الاسلام** - تمدنِ حاضرہ کی بدولت جوں جوں معاشی اور سیاسی مصروفیت بڑھ رہی ہے۔ دین کی ضروری ضروری معلومات حاصل کرنے کا موقع بھی بمشکل نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ عام طور پر جدید تعلیم یافتہ حضرات شعائر اسلام سے اس درجہ ناواقف ہیں کہ کسی عبادت یا مذہبی تقریب میں کبھی شرکت کا موقع آتا ہے تو ظاہری تقلید بھی اُن کے واسطے دشوار ہو جاتی ہے لامحالہ دل میں ندامت ہوتی ہے۔ جگ ہنسائی ہوتی ہے۔

اسی تعلیم یافتہ طبقہ کی خاطر ایک مختصر اور مستند مجموعہ ترتیب دیا ہے اس میں اسلامی عبادات و تقریبات کے تمام ضروریات ادعیہ وغیرہ جن سے روزمرہ سابقہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے۔ بترتیب خاص جمع ہیں۔ عربی متن کے

ساتھ اردو ترجمہ بھی درج ہے۔ اس کے مطالعہ کے بعد اسلامی عبادات اور اسلامی اخلاق و آداب سے بخوبی واقفیت ہوجاتی ہے۔ کسی موقع پر حیرانی و پریشانی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اس مجموعہ کی بالخصوص ضرورت ہے۔ چھوٹی تقطیع طباعت پاکیزہ (زیر طبع)

(۴) **فتوح الحکم** - یہ ایک جدید تالیف ہے۔ قطب الربانی غوث الصمدانی محبوب سبحانی حضرت غوث اعظم محی الدین جیلانی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بہت سے ارشادات فتوح الغیب میں اور خطبات فتح الربانی میں مرتب اور محفوظ ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی حضرت کے ارشادات، خطبات اور قصائد کا بہت سا بے بہا ذخیرہ مختلف کتب میں منتشر ہے۔ بفضلہ بعض قدیم قلمی نسخوں کا بھی پتہ لگا ہے جو اب تک طباعت و اشاعت سے مستغنی رہے ہیں۔ اِنْشَاءَ اللّٰہِ الْعَزِیْز یہ تمام نعمائے دینیہ خاص اہتمام سے مومنین کے واسطے عنقریب مہیا ہوجائیں گے۔ تالیف کا سلسلہ جاری ہے اس کے بعد طباعت و اشاعت ہے۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ - وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ

(۵) **فتوحات قادریہ** - حضرت غوث الاعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے تمام اذکار و اوراد، ادعیہ اور وظائف خاص تحقیق سے فراہم کیے ہیں۔ سلوک قادریہ کا اصلی مرقع ہے۔ طالبین کے واسطے بڑی نعمت ہے۔ یہ مجموعہ خاص اہتمام سے

طبع ہو کر جلد شائع ہو گا۔ انشاءاللہ

(۶) **مکاتیب المعارف** - مرشدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد حسین صاحب قبلہ چشتی القادری مدظلہ العالی کے مکتوبات شریف کا مجموعہ۔ حقائق قرآنی اور تعلیم ربانی کا عجیب مرقع پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ایمان واعتصام کی عظمت دل میں بیٹھتی ہے۔ اہل ایمان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ عجیب فیوض و برکات ہیں۔ بالفعل ترتیب ہو رہی ہے عنقریب اشاعت ہو گی۔ انشاءاللہ حجم تخمیناً ۴۰۰ صفحہ

(۷) **صراط الحمید یعنی سفرنامۂ مقامات مقدسہ** - عراق۔ شام۔ فلسطین وحجاز۔ ان چاروں اسلامی ممالک کے گوناگوں چشم دید حالات۔ نہایت دلچسپ ومفید معلومات سیر و سفر کے مفصل ہدایات۔ راہ منازل کے مکمل نقشہ جات غرض کہ سیاحت کے تمام ضروریات بالتفصیل مذکور ہیں۔

اکثر مقدس مقامات مثلاً بغداد شریف۔ کربلائے معلیٰ۔ نجف اشرف کاظمین شریفین۔ سامرہ شریف۔ دمشق۔ بیت المقدس۔ بیت اللحم۔ خلیل الرحمن ان سب کے متبرک زیارات و روایات۔ اولیائے کرام کے علمی فتوحات تالیف وتصنیفات۔ سب کچھ بتفصیل موجود ہے۔

سب سے بڑھ کر مدینۂ منورہ اور مکۂ معظمہ کے تفصیلی مشاہدات اسلامی

احساسات۔ بارگاہ اقدس کے انوار و برکات۔ فیوض و انعامات بیت اللہ شریف کی دینی تحقیقات فریضۂ حج کے تمام تفصیلات یعنی احکام و مسائل۔ طور و طریق ادعیہ و صلوات بہ ترتیب و تفہیم خاص کہ پھر کچھ دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے اور حج تمام و کمال بحسن و خوبی ادا ہو جائے بقول اللہ تعالیٰ۔

سفرنامہ میں جابجا قرآنی معارف اور ایمانی نکات۔ وہبی واردات، روابط قلبی کے نازک اشارات۔ عبارت کی لطافت گویا آب حیات کہ پڑھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے دل کو عقیدت و محبت کا مزہ ملتا ہے۔ مزید برآں خاص خاص زیارات کی ایک درجن قابل دید عکسی تصویرات کہ شنید میں دید کا لطف آجائے۔ گویا آنکھوں میں نقشہ پھر جائے۔ ضمنی طور پر بمبئی۔ کراچی بصرہ۔ حلب حمص حماہ بیروت جیفہ قنطرہ سویز۔ ینبوع۔ جدہ اور کامران ان مقامات کا بھی ضروری حال درج ہے۔ اور مسافروں کو جہاں جو جو صورتیں پیش آتی ہیں وہ بھی واضح کر دی ہیں کہ وقت پر حیرانی و پریشانی نہ ہو نا واقفیت سے کچھ زیر باری نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ عامۃ المومنین اور بالخصوص حجاج و زائرین کے واسطے یہ سفرنامہ واقعی بڑی نعمت ہے گھر بیٹھے زیارات کا لطف آتا ہے۔ سفر میں نہایت ہمدرد رفیق اور واقف کار معلم کا کام دیتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے پھر کسی کی محتاجی نہیں رہتی ان خوبیوں کی بدولت شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ جا رہا ہے۔ طباعت پاکیزہ حجم ۲۵۰ صفحہ قیمت فقط ۴؍

(۲) سلسلۂ منتخباتِ نظمِ اُردو

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پارینہ داستان ہے۔ مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ اُردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں! البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے! اردو کے تقریباً دو سو قدیم و جدید نامور شعرا کا بہترین کلام نہایت عجیب و غریب ترتیب کے ساتھ بارہ مستقل جلدوں میں پیش کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر اُردو شاعری کی وسعت و رفعت پر حیرت اور مسرت ہوتی ہے۔ دوسری زبانوں میں اس سلسلے کی کوئی نظیر نہیں ملتی! ادبِ اردو کا عجیب دل فریب اور نادر تحفہ ہے۔ جس کی بڑے بڑے ادیب اور نقادِ سخن داد بلکہ مبارک باد دے رہے ہیں۔ اُردو خواں حلقوں میں اس سلسلے کی خاصی دھوم مچ گئی ہے اور اس کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ الحمد للہ

یہ سلسلہ یوں تو سنہ ۱۹۱۹ء سے بتدریج شائع ہو ہو کر ہاتھوں ہاتھوں چلتا رہا لیکن سنہ ۱۹۲۴ء میں اس کی بارہ جلدیں اضافۂ مضامین اور جدید ترتیب کے ساتھ از سرِ نو شائع کی گئیں اور یہ اُن کی مستقل شکل قرار پائی تفصیل ملاحظہ ہو۔

پہلا سٹ

معارفِ ملّت

جلد اوّل - متعلق دینیات یعنی حمد نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں جن میں دین وایمان کی خوشبو مہکتی ہے - صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم - متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی - حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں خاص کر واقعۂ کربلا کے ۱۵ جگر دوز نشتر لذتِ شہادت تازہ کر دیتے ہیں - اسلامی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد سوم - متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابلِ دید ہیں - قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم - متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق و حکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں - فراہم

کر دئیے گئے ہیں - یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل قدر تحفہ ہے - تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے -

دوسرا سٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل - اُردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب - یہ کتاب کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے -

جلد دوم - اُردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالب اور اُس کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوق - ظفر اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب - یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے -

جلد سوم - تقریباً تیس قدیم، مستند اور باکمال شعرا کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے -

جلد چہارم - تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعرا کے کلام کا دل کش انتخاب - شاعری کے جدید دور کا اس سے خوب اندازہ ہوسکتا ہے -

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل ۔ متعلق اوقات ۔ یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دل کش مناظر نظموں میں اس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ ان کو دیکھ کر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دل فریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم ۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت باغات، شہر اور عمارات ۔ شاعروں نے ان سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے اُن کی سیر کر رہے ہیں۔

جلد سوم ۔ متعلق نباتات و حیوانات یعنی پھول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اردو شاعروں نے اشیاء قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہے۔ اور مشاہدات میں کہاں تک

جان ڈالی ہے۔

جلد چہارم متعلق عمرانیات یعنی ہندوستان کے تمدن، رسم ورواج، عید تیوہار غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم۔ سب طرح کے حالات پیش نظر ہوکر دل کو بےچین کر دیتے ہیں۔ مناظر قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

غرض کہ شعر وسخن کا عجیب دل کش انتخاب ہے۔ شریف اور مہذب گھرانوں میں لڑکوں لڑکیوں، مردوں، بیبیوں اور بڑے بوڑھوں کی خوش وقتی اور تفریح طبع کے لئے اس کے مطالعہ سے بہتر کوئی مشغلہ ملنا مشکل ہے شاید ہی کوئی علم دوست گھر اس سلسلے سے محروم رہنا گوارا کرسکے۔ کل بارہ ۱۲ جلدیں خوش خط خوش قطع، خوش نما مجلد قیمت فی جلد صرف ایک روپیہ۔

(۲) **جواہر سخن** ۔فارسی شاعری کا بہترین کلام ایک جدید اصول پر زیر ترتیب ہے انشاءاللہ بہت دل کش اور دلپذیر ہوگا۔ عنقریب شائع ہوگا۔



(۳) سلسلۂ معاشیات

(۱) **علم المعیشت** - جدید مغربی علم اکنامکس (Economics) پر اردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہی۔ مشکل سے مشکل معاشی اصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہی کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف نئے نئے مضامین بخوبی ذہن نشین ہوتے ہیں بلکہ خاصی دماغی تفریح حاصل ہوتی ہی۔ خوبیٔ مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہی۔ لطف یہ کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کے ہوتے ہوئے اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال جو خود بھی معاشیات کے عالم ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہی اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہی کہ اکنامکس پر اردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہی اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ بسلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)، تیسرا اڈیشن بنظر ثانی حال میں شائع ہوا ہی۔ حجم تقریباً ۸۰۰ صفحہ قیمت ۵ ؍

(۲) **اصول معاشیات** - پہلی کتاب علم المعیشت عام و خاص قارئین

کے واسطے نہایت سہل اور سلیس پیرایہ میں لکھی گئی۔ لیکن خاص طلبہ کے واسطے کسی قدر دقیق اور دشوار مباحث کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مضامین میں کافی ردوبدل اور تخفیف و اضافہ کر کے جداگانہ نصابی کتاب تیار کی گئی۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ خوش نما جلد۔ تقطیع کلاں حجم ۴۰۰ صفحہ۔ قیمت ۱۲/۱ عہ

(۴۳) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے فی زمانہ ازحد ضروری ہے۔ کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دل چسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ علم المعیشت اور اصول معاشیات میں جو نظری مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے اُن کا ہندوستان میں عمل درآمد دکھایا گیا ہے۔ خاص کر زر (کرنسی)، بینک اور تجارت خارجہ جیسے اہم مباحث قابل دید ہیں۔ یہ بھی بلا مبالغہ اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی جامع اور مستند کتاب ہے۔ مدت سے شائقین کو انتظار تھا الحمدللہ کہ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شایع ہو گئی۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً ۸۵۰ صفحہ

(۴۴) **مالیات**۔ پبلک فنانس (Public Finance) پر اردو میں سب سے پہلی جامع اور مستند کتاب ہے۔ مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے

ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرایع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل اور مخارج کا انتظام کس نہج پر قایم ہے۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور ان کا کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہے۔ یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر عملی پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کے مالی نظام کو بالتفصیل بطور مثال پیش کیا ہے۔ تنقیح اور تنقید کی ہے خاص کر ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے (زیر تالیف)

(۵) **مقدمۃ المعاشیات**۔ بورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب "انٹروڈکشن ٹو اکنامکس" (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اردو ترجمہ۔ جس میں معاشیات کے ابتدائی اصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ تقطیع کلاں۔ حجم تقریباً ۳۰۰ صفحہ مجلد۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

(۶) **معاشیات ہند**۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب "انڈین اکنامکس" (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ تقطیع

کلاں حجم تقریباً ۳۰۰ صفحہ مجلد دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

(۷) **برطانوی حکومت ہند** - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور با محاورہ اردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا نظام و طریق بیان کیا گیا ہے۔ تقطیع کلاں حجم تقریباً ۲۰۰ صفحہ۔ مجلد۔ دارالترجمہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

کتابیں ملنے کے صدر مقام:-

(۱) حاجی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی۔ علی گڑھ

(۲) شیخ مبارک علی صاحب۔ تاجر کتب۔ لُہاری دروازہ لاہور

(۳) مکتبہ جامعۂ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی

(۴) مکتبۂ ابراہیمیہ۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد۔ (دکن)

PROFESSOR ELYAS BURNY'S
Other Urdu Works.

---

1. **Ilmul-Maeeshat**—On principles of Economics popular editon—about 900 pages.

2. **Usul-e-Maashiyat**—On principles of Economics—Student edition—about 600 pages.

3. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics about 850 pages.

4. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pages (under preparation).

5. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation of Moreland's Introdution to Economics.

6. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

7. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**—Translation of Anderson's British Administration in India.

8. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pages.

9. **Sirat-ul-Hameed**—Pilgrims' Guide Book in Iraq, Syria, Palestine and Hedjaz. Illustrated— 250 pages.

Forests, Fields and Gardens, Cities and famous Buildings.

Volume III ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV ... Collection of poems describing the various important and interesting phases of Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and guage the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,

Osmania University,

December, 1924. *Hyderabad (Deccan).*

Set II.

JAZBAT-E-FITRAT (Natural Feelings and Emotions).

Volume I ...Selections from the works of the two old and premier poets Mir andSauda.

Volume II ...Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mauhani.

Volume III ...Selections from the works of some thirty old notable poets.

Volume IV ...Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III.

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature).

Volume I ...Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainyseason, Winter, Summer and Spring.

Volume II ...Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and

an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been published in their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in the future.

The Series is divided into three Sets, and covers twelve volumes as follows:—

Set I.

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Community).

Volume I ... Collection of poems in praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion: A Prayer Book.

Volume II ... Collection of poems depicting the past, present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala, as told here, is extremely impressive.

Volume III... Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.

Volume IV... Collection of poems dealing with the various problems of Ethics and Morals.

SELECTED URDU POEMS SERIES.

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-Books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such

Selected Urdu Poems Series

Jazbat-e-Fitrat

Edited by

MOHAMED ELYAS BURNY
M. A., LL. B. (ALIG.)
Osmania University
Hyderabad (Deccan)

VOL. I

4th Edition Price Re. 1

Selected Urdu Poems Series

Jazbat-e-Fitrat

Edited by

ELIAS BURNY

VOL. I.

4th Edition Price Re. 1